SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو' وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے ...مارگریٹ میڈ

شہری

برائے بہتر ماحول

جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء

اندرونی صفحات پر

- پیچیدہ شہری زندگی کا دباؤ
- کراچی میں پانی کا بحران
- پاکستان میں تھیٹر کی تحریک
- گلشن معمار کا تعمیراتی حسن

نوید حسین

کراچی کے پھیلاؤ میں بے تحاشہ اضافہ

بڑے شہروں کا بوجھ کم کرنے کے لئے چھوٹے شہر بسائے جائیں دیہاتوں میں زرعی اصلاحات کی جائیں

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ شہر میں خطرناک حد تک بڑھتی ہوئی غیرقانونی تعمیرات کا ذمہ دار آخری تجزیے میں عام شہری' کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو ہی قرار دیتے ہیں جو حکومت سندھ کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ شہریوں کے ایک گروپ کی حیثیت سے شہری یہ مطالبہ کرتا رہا ہے کہ ایک طویل المیعاد "اربن پالیسی" بنائی جائے جو معاشرے کے تمام طبقوں کی ضروریات کا خیال رکھے اور خصوصاً اس ٦٠ فیصد شہری آبادی کی ضروریات کو پورا کرے جو ان کچی بستیوں میں رہتی ہے جو کے بی سی اے کے دائرہ کار میں نہیں آتیں۔

ہم غیرقانونی تعمیرات کو ان بڑھتی ہوئی رہائشی اور تجارتی ضروریات کے پس منظر میں دیکھتے ہیں جو پاکستان میں آبادی میں مسلسل اور بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے محدود وسائل والا یہ چھوٹا سا ملک' چین اور بھارت کے بعد دنیا میں آبادی میں تیزی سے اضافے کے لئے تیسرے نمبر پر آگیا ہے۔ شہری اور دیہی آبادی پر اس کا حقیقی اثر اس وقت محسوس ہوگا جب افزائش کی شرح صفر ہو جائے گی' ملک کی آبادی ۴۵ کروڑ ہو جائے گی کراچی کی آبادی چار

قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کا منظر

> بڑھتی ہوئی شہری ضروریات اور آبادی میں بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی قطعاً" اہل نہیں رہی ، بے گھر افراد خود اس صورتحال سے نمٹ رہے ہیں

کروڑ سے زائد ہو جائے گی' اور یہ شہر ایک وحدت کے طور پر برقرار نہیں رہ سکے گا۔ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب کراچی سے پشاور تک ہائی وے کے ساتھ ساتھ پورا علاقہ انسانوں سے آباد ہوگا۔

کراچی کی آبادی کا تخمینہ پورے ملک کی آبادی کا دس فیصد لگایا جاسکتا ہے۔ اگر کراچی کی موجودہ آبادی کو ساڑھے چودہ کروڑ تسلیم کرلیا جائے تو ۲۰۰۰ء میں بڑھ کر ساڑھے سولہ کروڑ ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آبادی میں فطری اضافے اور دیہی علاقوں سے آبادی کی منتقلی کے نتیجے میں رہائشی مکانات کی طلب میں ٦ فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہوگا۔ اگر ایک شخص کے لئے کم از کم سو مربع فٹ رہائشی جگہ درکار ہو تو شہر کو ہر سال ۸۷ ملین مربع فٹ رہائش سہولتیں فراہم کرنا ہوں گی۔ اگر پانچ منزلہ عمارتیں بھی تعمیر کی جائیں تب بھی ہر سال ایسے ۲۲۰۰ یونٹ درکار ہوں گے۔ اگر کچی آبادیوں میں رہنے والوں کو بھی مکانات فراہم کرنے ہوں تو ہمیں ۸۰۰ ملین مربع فٹ تعمیرات درکار ہوں گی جو تقریباً" ڈھائی لاکھ رہائشی یونٹوں پر مشتمل ہوں گی۔

بڑھتی ہوئی رہائشی ضروریات اور آبادی میں بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی قطعاً" اہل نہیں رہی اور بے گھر افراد کو خود اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے اس مسئلے سے عہد برا ہونے کے لئے زمین اور ٹاؤن پلاننگ کی ضرورت ہے اور یہ معاملات کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔

اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے نگراں کمیٹی اور کے بی سی اے کو غیرقانونی تعمیرات کو مانیٹر کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے' "شہری" اس معاملے کو وسیع تر کینویس پر دیکھتا ہے اور وہ یہ کہ ایک ایسا ماسٹرپلان ہو جس پر منصوبہ بندی کرنے والے' ماہرین تعمیرات' آبادیات کے ماہرین' شہری اقتصادیات' ٹرانسپورٹ اور بنیادی شہری ضروریات کی فراہمی کے ماہرین اور دیگر شعبوں کے ماہرین مل جل کر کام کریں۔

بدقسمتی سے اس ماسٹرپلان ۲۰۰۰ء پر اب تک بہت سا وقت اور لاکھوں ڈالر ضائع ہوچکے ہیں لیکن اس کا کوئی فائدہ

شہری

سی 206، بلاک 2، پی ای سی ایچ ایس
کراچی، پاکستان
ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646
e-mail/address: shehri @ shehri.a.khi.brain.net.pk

ایڈیٹر : انیس ہارون

انتظامی کمیٹی
چیئرپرسن : قاضی فائز عیسیٰ
وائس چیئرپرسن : روکوڈی سوزا
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : اسامی خالی ہے
ارکان : نوید حسین، خطیب احمد

شہری اسٹاف
کوآرڈی نیٹر : سرمنصور
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر : محمد ریحان اشرف

شہری ذیلی کمیٹیاں
آلودگی کے خلاف : نوید حسین
تحفظ ورثہ : دانش آزر زوبی، حمیرا رحمٰن
میڈیا اور بیرونی روابط : حمیرا رحمٰن، محسن جعفری، فرحان انور
قانون : قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی، رولینڈ ڈی سوزا، روکوڈی سوزا، خطیب احمد
پارکس اور تفریح : خطیب احمد
مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر / ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : زیڈ یو لالہ
پروڈکشن : انٹرلنک پبلیکیشن

مالی تعاون : فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

نہیں ہوا۔ اس پلان پر عمل درآمد کا نہ تو سیاسی فیصلہ ہوا ہے اور نہ ہی اسے قانونی تحفظ ملا ہے۔ شہر کے معاملات کو چلانے کے لئے ۲۰ سے زائد ادارے کام کر رہے ہیں ان میں کچھ وفاقی حکومت کو جواب دہ ہیں اور ماسٹر پلان اور حکومت سندھ کے مقاصد کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ماسٹر پلان کو بڑھتی ہوئی رہائشی ضروریات کے لئے کام کرنا چاہئے اور اس کی منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔

شہری ترقی کے اس پیچیدہ اور کثیرالجہتی کھیل کے شرکاء کے اغراض و مقاصد میں ہم آہنگی، شفاف پن، احتساب اور پیشہ ورانہ مہارت درکار ہے۔ نگراں کمیٹی کے شرکاء کو بھی خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اس سے غیرقانونی تعمیرات کی تعداد کم سے کم ہوجائے گی۔ "آباد" کو اپنی تنظیم کے اغراض و مقاصد میں واضح طور پر کہنا چاہئے کہ وہ فلیٹس، دکانیں اور تجارتی عمارتیں صرف تعمیرات اور شہری منصوبہ بندی کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے تعمیر کرے گی۔ پاکستان انجینئرنگ کونسل کو شہریوں کو ایسی بلند و بالا عمارتوں میں رہائش کے خطرات سے بچانا چاہئے جو اسٹرکچرل انجینئرز، اسٹرکچرل ڈرائنگ، معیاری حساب یا ماہرین کی نگرانی کے بغیر تعمیر کی گئی ہیں۔

پاکستان کونسل آف آرکیٹیکٹس اور پاکستان انجینئرنگ کونسل کو ایسے آرکیٹیکٹس اور انجینئرز کے خلاف کارروائی کرنی چاہئے جو غیرقانونی تعمیرات کے سلسلے میں بلڈرز، سیاستدانوں اور افسران کی مدد کر کے وائٹ کالر کرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ایسے تمام آرکیٹیکٹس اور انجینئرز کے لائسنس عدالت کا فیصلہ آنے تک خود ان کی متعلقہ تنظیموں کو معطل کر دینے چاہئیں۔

"شہری" اپنے وکیلوں کی حوصلہ افزائی کرے گی کہ وہ عدالتوں اور کے بی سی اے سے ایسی تمام کثیرالمنزلہ عمارتوں کو غیرقانونی اور رہائش کے لئے خطرناک قرار دلوا کر خالی کروائیں اور انہیں منہدم کروائیں جن کی تعمیر سے قبل زمینی ٹیسٹ نہیں کرائے گئے ہیں اور نقشہ پیشگی منظوری کے لئے پیش نہ کیا گیا ہو۔ قواعد کے تحت کے بی سی اے کے اسٹرکچرل ڈپارٹمنٹ کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ قانونی پہلو کے علاوہ کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر کی

باقی صفحہ ۱۹ پر

سچائی کا جرم

مجھے خبر ملی کہ میرے ایک دوست نوید حسین کو جن کے ساتھ میرے خاندانی تعلقات ہیں، گولی ماردی گئی ہے اور وہ آغا خان اسپتال میں زخمی حالت میں زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ نوید حسین ایک غیر سرکاری تنظیم "شہری" کے رکن ہیں۔ یہ تنظیم ماحولیات کے تحفظ کے لئے کراچی میں سرگرم عمل ہے۔

"نوید حسین کو کیوں گولی ماردی گئی؟"

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس تباہ حال اور برباد شہر میں جو کچھ بچ گیا تھا، اسے کرپٹ اور حریص لوگوں کی دسترس سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس شہر میں جو کچھ تیزی سے ہو رہا تھا وہ اسے روکنے یا کم از کم اس کی رفتار مدہم کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ نوید حسین ذاتی زندگی میں گولی کا شکار نہیں ہوئے، انہیں کسی خونی تنازع کا نشانہ بھی نہیں بنایا گیا۔ یہ کارروائی منتقمانہ بھی نہیں تھی ان پر قاتلانہ حملہ اس لئے کیا گیا کہ دوسرے لوگ اس سے سبق سیکھیں اور وہ کراچی میں ماحولیات کو خراب کرنے کی کارروائیوں میں رکاوٹ نہ بنیں، ان کے کام میں کسی قسم کی رخنہ اندازی نہ کریں۔ اس قاتلانہ حملے سے جو پیغام ہم سب لوگوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

"ہم قاتلوں کو کوئی خوف و خطر نہیں ہے، ہم سزا اور جزا سے نہیں ڈرتے، ہم جس شخص کو قتل کرنا چاہیں اسے سورج کی روشنی میں قتل کر دیتے ہیں اور نالائق اور نااہل وزیروں، ان کے قریبی مشیروں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ فاتحہ خوانی پر آئیں اور اخبارات میں چھپوانے کے لئے اپنے فوٹو اتروالیں۔"

اردشیر کاؤس جی

"شہری برائے بہتر ماحول" یہ ادارے کا نام ہے جس کے بانی نوید حسین ان دنوں اسپتال میں اپنی زندگی کی جنگ لڑ رہے ہیں، شہری نے ناجائز تجاوزات کے خلاف اور ضابطے کے منافی بالی وارز عمارتوں کی تعمیر کے خلاف اس شہر میں بڑی دلیری اور ثابت قدمی سے جنگ لڑی ہے۔ کئی عمارتیں اس کی کوشش سے توڑ دی گئیں یا ان کی تعمیر روک دی گئی۔ یہ کام پی ای سی ایچ ایس اور گارڈن کے علاقے میں خاص طور پر ہوا۔ بہت سے تعمیراتی ادارے شہری سے اور خاص طور پر اس کے بانی صدر سے خوش نہیں ہیں۔ کراچی اپنے تین بڑے "ذرائع آمدنی" کے لئے دنیا بھر میں شہرت حاصل کر چکا ہے۔ منشیات کی اسمگلنگ، ناجائز اسلحہ کی تجارت اور زمینوں پر قبضہ، جن کی مدد سے لوگ راتوں رات لاکھوں، کروڑوں روپے کے مالک ہو جاتے ہیں۔

چند روز قبل جب نوید حسین اپنے آفس میں تھے "غالباً" دو افراد آئے ان کے ساتھ ملاقات کی، اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر ان سے پانی مانگا اور جب وہ پانی کا گلاس لینے کے لئے پلٹے تو ان پر فائر کر دیا۔ پانی کا جواب گولی۔ یہ دیدہ دلیری اور انسان دشمنی کی خوفناک مثال ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے مفاد پر زد پڑتی ہے، وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں اور بنیادی انسانی قدروں کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ حسن عابدی

پروفیسر ایس ہارون احمد

پیچیدہ شہری زندگی کا دباؤ!

تیسری دنیا کے ممالک میں شہروں میں تیزی سے آبادی کی منتقلی ایک حقیقت ہے۔ یہ ناگزیر بھی ہے۔ شہری ایجنسیوں نے نہ تو اتنے بڑے پیمانے پر آبادی کی منتقلی کی منصوبہ بندی کی ہے اور نہ وہ اس کے لئے تیار ہیں۔ یہ ماحول کے فطری نظام کی تبدیلی کا آغاز ہے۔

ماحول اور شہری امور ڈویژن کے سروے کے مطابق شہری آبادی میں یہ اضافہ' آبادی کی منتقلی' قدرتی اضافے اور مضافاتی دیہات کی شہروں اور قصبوں میں شمولیت کے باعث ہوتا ہے۔ منتقل ہونے والوں کا رخ زیادہ تر بڑے شہروں کی جانب ہوتا ہے جو پہلے ہی کچی بستیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ موجودہ اطلاعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں تقریباً "۲۳۰۰ کچی آبادیاں ہیں جن کی آبادی تقریباً "۵۵ لاکھ ہے۔ پانچ سال قبل اندازہ لگایا گیا تھا کہ صرف کراچی میں ۴۳۲ ایسی بستیاں تھیں جن میں ۲۴ لاکھ افراد آباد تھے ان بستیوں کا رقبہ ۶۰۰۰ ہیکٹرز تھا۔

کراچی کی آبادی ۶ فیصد سالانہ کی شرح سے بڑھ رہی ہے۔ جبکہ ساجی اور شہری سہولتوں میں صرف ۲.۶ فیصد کی سست رفتار شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ نلوں کے ذریعے پانی اور سیوریج کی سہولتیں صرف ۳۰ فیصد گھروں میں دستیاب ہیں۔

صحت اور معیار زندگی (جسمانی' ذہنی اور ساجی) کا بھی زیادہ تر دارومدار انہی عوامل مثلاً رہائش' پانی' سڑکیں' ٹرانسپورٹ' بجلی' ماحولیاتی آلودگی' ملیریا کنٹرول وغیرہ پر ہوتا ہے' دوسرے عوامل میں جن کی اقوام متحدہ نے نشاندہی کی ہے خوراک کا استعمال اور ملاوٹ' پیشہ' تعلیم' لباس' ساجی تحفظ' تفریحات ور انسانی حقوق کی صورتحال شامل ہیں۔

پاکستان میں ایک سنگین مسئلہ حیاتیاتی آلودگی ہے' جس میں پانی میں انسانی فضلے کی آلودگی بھی شامل ہے۔ ایک جائزے کی تشویشناک رپورٹ کے مطابق جس کی فوری طور پر دوسرے محققین کو بھی توثیق کرنی چاہئے' جن بچوں کا جائزہ لیا گیا ان میں سے ۹۲ فیصد بچوں کے خون میں سیسے کی سطح محفوظ حد سے زیادہ تھی۔ جس کا سبب ٹریفک کا دھواں بتایا گیا ہے۔ اندیشہ یہی ہے کہ کراچی تباہ ہونے پر تل گیا ہے۔ صنعتی آلودگی بلا روک ٹوک جاری ہے۔ عام آدمی اس بڑے حملے کو اپنی صحت سے منسلک نہیں سمجھتا جبکہ حکام جان بوجھ کر اس مسئلے کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غذا میں ملاوٹ' جعلی ادویات اور نیم حکیموں کا ہر جگہ دور دورہ ہے اور خواہ کتنے ہی قوانین بنا لئے جائیں۔ کرپشن اور مجرمانہ بدانتظامی کے سبب وہ غیر موثر ہی رہتے ہیں۔

> بچوں کے خون میں سیسے کی سطح محفوظ حد سے زیادہ ہے جس کا سبب ٹریفک کا دھواں ہے۔ غذا میں ملاوٹ اور جعلی ادویات صورتحال کو بدتر بنا رہی ہیں

صحت کی سہولتوں کی فراہمی کے نظام میں خواہ کتنی ہی توسیع کردی جائے' صحت عامہ کی صورتحال تبدیل نہیں ہوگی تاوقتیکہ بنیادی اسباب پر مناسب توجہ نہ دی جائے' بلدیاتی ادارے جو انتظامی اور حفاظتی سرگرمیوں کے ذمہ دار ہیں صرف فوری طور پر نظر آنے والے اور سیاسی طور پر فائدہ پہنچانے والے اداروں مثلاً اسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے لئے کام کر رہے ہیں۔

صحت کو درپیش ظاہر و نمایاں خطرات کا تعلق انسان کی اس حیرت انگیز صلاحیتوں سے ہے جن کی مدد سے وہ انتہائی غیر فطری اور نامساعد ماحول میں بھی زندہ رہتا ہے اور کام کرتا ہے۔ پانی' بجلی' ٹرانسپورٹ اور رہائش کے مسائل جیسے شدید دباؤ تو اپنی جگہ ایک مستقل احساس عدم تحفظ انسانی جان کو خطرہ نے صورتحال کو بدتر بنا دیا ہے۔

ذہنی بیماری

جسمانی بیماری خواہ شدید یا پرانی ہو' معذور کرنے والی یا دائمی ہو' اس پر توجہ دی جاتی ہے ہمدردی اور تشویش کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن ذہنی بیماری کے یا تو وجود سے ہی انکار کردیا جاتا ہے یا اسے نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پاکستان سمیت ترقی پذیر ممالک میں ایک فیصد آبادی (ایک کروڑ افراد) معمولی سے لے کر درمیانے درجے کے ذہنی امراض میں مبتلا ہیں۔ منشیات کے بارے میں ایک سروے کے مطابق پاکستان میں ۱۹ لاکھ افراد باقاعدگی سے منشیات استعمال کر رہے تھے۔ منشیات نے ہر گیارہویں گھر کو اور ۱۵ سے ۶۰ سال عمر کے ہر ۴۵ میں سے ایک مرد کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے۔ پاکستان میں تقریباً ایک فیصد بچے کسی نہ کسی حد تک ذہنی طور پر معذور ہیں اور اس سے بھی زیادہ مرگی اور غیر متوازن رویوں کا شکار ہیں۔

نفسیاتی انتشار

ہر معاشرے میں جسمانی یا ذہنی طور پر بیمار لوگوں کا ایک حصہ ہوتا ہے جس کا انحصار اس معاشرے کی ترقی کی صورتحال اور معاشی حیثیت پر ہوتا ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شہر کی پیچیدہ زندگی کا دباؤ طرز عمل اور طرز زندگی دونوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ صورتحال سے عدم مطابقت کی وجہ سے رویئے اور طرز عمل میں نقص پیدا ہو جاتا ہے

باقی صفحہ ۱۰ پر

شہری کا موقف

کراچی میں پانی کا بحران

حکومت سندھ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کو نجی شعبے میں دینے کے درپے ہے' ایک شہری تنظیم نے اس طریقہ کار کو چیلنج کیا ہے اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ اس عمل پر نظرثانی کی جائے

کراچی کا ایک چوتھائی سے زائد حصہ اب بھی پائپ کے ذریعے پانی کی فراہمی سے محروم ہے۔ نلوں کے ذریعے بھی پانی کی فراہمی ناکافی اور کبھی کبھار ہوتی ہے۔ پانی میں آلودگی اور سیوریج ابلنے کی وجہ سے تمام شہریوں کی صحت کو خطرہ ہے۔ تقریباً" تمام سیوریج دریاؤں اور سمندر کو زہر آلود بنا رہا ہے۔ کسانوں اور ماہی گیروں کو روزی سے محروم کررہا ہے اور بلاسبب فطرت کو تباہ کر رہا ہے۔

بڑھتی ہوئی نااہلی اور کرپشن کے باعث کم از کم آدھے سے زیادہ فراہم کیا جانے والا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اسے ٹینکر مافیا مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ زیادہ تر صارفین سے پانی کے بل وصول نہیں ہو پاتے' افرادی لاگت زیادہ ہے۔ چنانچہ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کو اپنے اخراجات پورے کرنے' قرض کی ادائیگی اور دیکھ بھال اور مرمت کے کاموں کے اخراجات کے لئے عبوری زر تلافی اور گرانٹس پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

اربوں روپوں کے واجب الادا قرضوں کے باوجود کے ڈبلیو ایس سروسز اور مالیات کے بحران کا شکار ہے۔ یہ مسائل برسہابرس سے اپنی سماجی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تباہ کن بات یہ ہے کہ ادارے میں سیاسی موقع پرستی اور عوامی وسائل کی کھلی لوٹ کھسوٹ کی گئی۔

جامع اصلاحات کی ضرورت

ان مسائل کا ایک جامع اور مستقل حل تین اصولوں پر مبنی ہونا چاہئے۔ اول' یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کو بنیادی خدمات کی ایک معقول سطح پر فراہمی کو یقینی بنائے۔ دوسرے' کم لاگت منصفانہ تقسیم کے لئے ضروری ہے کہ تقسیم کے نظام میں بنیادی اصلاحات کی جائیں اور ادارے کی کارکردگی کو مانیٹر کیا جائے۔ تیسرے' یہ کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے پرائیویٹائزیشن نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی کافی۔

پرائیویٹائزیشن کی تنگ نظر حکمت عملی

بین الاقوامی مشورے پر عمل کرتے ہوئے حکومت سندھ نے کے ایس ڈبلیو بی میں اصلاحات کو صرف زیادہ سے زیادہ پرائیویٹائزیشن تک محدود کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اصلاحات کی سرکاری حکمت عملی کے نتیجے میں اثاثوں کے بجائے تجارتی قرضوں کا بوجھ بڑھے گا اور بین الاقوامی سرمائے کے چکر میں رہی سہی کارکردگی بھی قربان ہو جائے گی۔ کم آمدنی والے گھرانے پھر بھی پانی کی سپلائی کے سلسلے میں سب سے آخری ترجیح ہوں گے۔ نہ سیوریج کی سہولتوں میں اضافہ ہوگا اور نہ ہی دریاؤں اور سمندر میں آلودگی کم ہوگی۔ آئندہ پانچ برسوں میں پانی کی شرح میں ۳۰۰ فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ صارفین پر ڈالے جانے والے اس بھاری بوجھ کو بہتر کارکردگی اور بہتر خدمات سے بھی مشروط نہیں کیا گیا ہے۔ عملے کی تعداد آدھی کی جارہی ہے لیکن یہ وعدہ بھی نہیں کیا جارہا ہے کہ لیبر کی لاگت میں بھی اتنی ہی کمی ہوگی۔ پرائیویٹائزیشن کے پانچ سال بعد بھی اگر پانی کی ایک تہائی مقدار لیکج اور چوری کی نذر ہوتی رہی تو موثر آب رسانی کا نظام محض سراب ہی رہے گا۔ ۱۹۹۸ء کے وسط سے کے ڈبلیو ایس بی کا پورا نظام کثیرالقومی کمپنیوں کو مفت میں حوالے کردیا جائے گا اس کے عوض وہ مطلوبہ سرمایہ کاری کا محض دس فیصد حصہ فراہم کریں گی۔ تاہم صارفین کو نہ صرف ان کا بھاری منافع بلکہ موجودہ اور آئندہ قرضوں کے اربوں روپے بھی ادا کرنے

نااہلی اور کرپشن کے باعث کم از کم آدھے سے زیادہ فراہم کیا جانے والا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اسے ٹینکر مافیا مہنگے داموں فروخت کرتا ہے

پڑیں گے۔

پرائیوٹائزیشن کے بعد خدمات کو بہتر بنانے کی بھی کوئی ضمانت نہیں لی گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ مرکزیت کو ختم کرکے مقامی لوگوں کی شراکت سے نظام کو مزید موثر اور منصفانہ بنایا جائے تمام آبی خدمات پر نجی اجارہ داری مسلط کردی جائے گی۔

یہ کہنا درست ہوگا کہ حکومت نے ایک انتہائی غلط اصلاحی حکمت عملی کی توثیق کی ہے۔ غیر ملکی کنسلٹنٹ غیر مناسب اور خودغرضانہ مشورے ہی دیں گے جن کے نتائج سماجی اعتبار سے شہر کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ بین الاقوامی قرضے دینے والوں کے نسخے پر آنکھ بند کرکے عمل کرتے وقت ہم ماضی کے سبق کو بھول جاتے ہیں۔

بحث اور منظوری

یہ بات تو واضح ہے کہ کے ڈبلیو ایس بی کو ماضی کی طرح معمول کے مطابق اپنا کاروبار چلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ آبی خدمات کے بحران کا مناسب اور پائیدار حل جلدبازی میں کی جانے والی پرائیوٹائزیشن بھی نہیں ہے۔ **تنگ نظر سرکاری حکمت**

باقی صفحہ ۱۹ پر

ضوفین ابراہیم

تھیٹر

پاکستان میں تھیٹر کی تحریک

"لال قلعہ سے لالو کھیت" میں پہلی بار مہاجروں کے مسائل کی نشاندہی کی گئی تھی

پاکستان میں تھیٹر کی تاریخ کا غالباً" سب سے پہلا کھیل خواجہ معین الدین کا "لال قلعہ سے لالو کھیت" تھا۔ یہ کھیل بہت مقبول ہوا۔ کیونکہ یہ کراچی کے باشندوں اور خصوصاً" مہاجرین کو درپیش مسائل کے بارے میں تھا۔ یہ کھیل ان کی امیدوں' آرزوؤں' دکھوں اور مایوسیوں کے بارے میں تھا۔ ایک جرمن شہری گیرڈ کیملے جو ۱۹۵۲ء میں کراچی آیا تھا اور ڈرامے کی ہدایت کاری کرتا تھا کہتا کہ "اصل مہاجر جو لالو کھیت میں غربت اور پسماندگی کی زندگی گزار رہے تھے ایک روپے کا نوٹ لے کر تھیٹر دیکھنے آتے تھے اور جب ٹکٹ فروخت ہو جانے کی وجہ سے انہیں لوٹنا پڑتا تھا تو وہ بہت مایوس ہوتے تھے"۔

کمال احمد رضوی کا کہنا ہے کہ "میں اب بھی تھیٹر کر رہا ہوں اور خود کو بے وقوف بنا رہا ہوں۔" کمال احمد رضوی صرف سات آٹھ برس کے تھے جب بہار میں انہوں نے پہلی بار تھیٹر دیکھا۔ اور وہ اس سے اتنے مسحور ہوئے کہ اسی کو اپنا پیشہ بنالیا۔ گزشتہ تقریباً" پچاس برسوں کے دوران ناکامیوں اور مایوسیوں کے باوجود وہ اب بھی اسی راہ پر گامزن ہیں اور تھیٹر کرتے ہیں۔

دوسری جانب منصور سعید کے لئے تھیٹر کبھی ایک شدید خواہش اور جذبہ نہیں رہا وہ تو بس اسے اپنے سیاسی نظریات اور سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ایک ذریعے (میڈیم) کے طور پر استعمال کرتے تھے تاکہ عوام میں شعور پیدا کیا جاسکے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں انہوں نے

> **ممتاز فنکاروں کا خیال ہے کہ ہمارے ہاں طبع زاد کہانی نویس بہت کم ہیں' ہمارے کھیل زیادہ تر ماخوذ ہوتے ہیں**

"دستک" گروپ قائم کیا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے اس کا آغاز کیا ہو لیکن وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ یہ مکمل طور پر انہی کا آئیڈیا تھا۔ دراصل کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے سوئے ہوئے ذہنوں کو جھنجھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ بہت کٹھن وقت تھا کیونکہ ضیاء الحق کی آمریت کا دور تھا۔ "دستک" میں بہت سے غیرکیمونسٹ بھی شامل ہوگئے تاکہ وہ بھی فنکارانہ سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں اور سیاسی فکر اور تحریک کو آگے بڑھاسکیں۔

"قاضی واجد' عمران اسلم' راحت کاظمی' کمال احمد رضوی' خالد احمد' ضیاء محی الدین اور دوسرے سبھی لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں تھیٹر پھل پھول نہیں سکتا کیونکہ یہاں کہانی نویس نہیں ہیں ہم اب تک جو کچھ کرتے رہے ہیں اور حتیٰ کہ اب بھی جو کچھ کر رہے ہیں وہ محض ماخوذ ہے اصل کہانی نہیں۔ راحت کاظمی کا کہنا ہے کہ "تھیٹر کے لئے طبع زاد کہانیاں چند ایک ہی لکھی گئی ہیں ہم زیادہ تر اصل

کہانی میں ردوبدل کر کے ہی پیش کرتے ہیں۔" بعض لوگوں نے محسوس کیا کہ جن موضوعات کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ ہمارے حقیقی مسائل کا احاطہ نہیں کرتے۔

پاکستان میں تھیٹر کرنے کے معنی یکے بعد دیگرے حکومتوں سے نبرد آزما ہونا اور ان کی ناروا پابندیوں مثلاً متعدد این او سی حاصل کرنا، پولیس اور ایکسائز سے کلیئرنس لینا اور سنسرشپ کی پابندیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں کے دوران اسی لئے ہمارے ہاں تھیٹر پنپ نہیں سکا جبکہ سرحد پار ہمسایہ ملک میں اس نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی ہے۔ وہاں سینکڑوں گروپ سرگرم عمل ہیں۔ اکادمیاں اور ادارے قائم ہیں اور ملکی روایات کو بڑی مہارت اور کامیابی کے ساتھ جدید تیکنیک کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ بنگلہ دیش میں ایک ہزار سے زائد رجسٹرڈ تھیٹر گروپ ہیں۔ صرف ڈھاکہ میں دو سو سے زائد گروپ باقاعدہ طور پر سال کے ہر دن بلاناغہ پرفارمنس دے رہے ہیں۔

سماجی، اخلاقی اور ماحولیاتی پیغامات کی ترسیل

مرحوم علی احمد نے تقسیم سے قبل ہندوستان میں تھیٹر کو مزدور تحریک کے ایک حصے کے طور پر شروع کیا تھا۔ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا تھا کہ "ہم تھیٹر کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ ہم جو کچھ محسوس کرتے ہیں اسے عوام تک پہنچایا جاسکے۔ میرے نزدیک تھیٹر سماج کو بدلنے کا ایک موقع فراہم کرتا ہے۔ تھیٹر ابلاغ اور اظہار کا ایک انتہائی طاقتور وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں صرف تھیٹر ہی وہ صنف ہے جس پر پیشکش سے پہلے ہی سنسرشپ کی پابندی عائد ہے"۔

تھیٹر ابلاغ اور اظہار کا ایک انتہائی طاقتور وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں تھیٹر پر پیشکش سے پہلے ہی سنسرشپ کی پابندی عائد ہے

تھیٹر بچوں کی تربیت کا ایک موثر وسیلہ بن سکتا ہے

آج کے دور میں جب ہم بامقصد تھیٹر کی بات کرتے ہیں تو صرف یاسمین اسمٰعیل اور ان کا گرپس تھیٹر ہی اس کے نزدیک نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "جرمن زبان میں گرپس کا مطلب دماغ لڑانا یا ذہنی مشق ہے۔ یہ کھیل بچوں کے بارے میں ہوتے ہیں جو بہت اسمارٹ ہوتے ہیں اور اپنی ذہانت سے اپنے والدین کو خود کو احمق سمجھنے پر مجبور کر دیتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے کھیل طنزیہ اور توہین آمیز ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بڑے حریفانہ انداز میں کہتی ہیں کہ ان کے کھیل بے مقصد اور لایعنی نہیں ہوتے۔ تھیٹر تعلیم کا ایک ذریعہ ہے اگر میں اس کے ذریعے بنیادی سطح تک رسائی حاصل کرسکوں اور انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں ہی سوچنے پر آمادہ کرسکوں تو اس نسل کے لئے جسے ہم نے بہت بری طرح بگاڑ دیا ہے یہ دنیا رہنے کی بہتر جگہ بن سکتی ہے۔

اچھا تھیٹر اثر چھوڑتا ہے

گرپس کے کھیل زیادہ تر ان مسائل پر توجہ دیتے ہیں جن سے ہمارا آج کا شہری معاشرہ دوچار ہے۔

بعض لوگ اپنے تھیٹر کو "احتجاج کا تھیٹر" یا "سیاست کا تھیٹر" قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس کچھ گروپ پکے تھیٹر والوں کے ہیں جو متوازی تھیٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ کبھی کبھار ہی کام کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ تو گلی کے تھیٹر کے طور پر کام کرتے ہیں۔ لاہور میں گزشتہ دس برسوں سے "اجوکا" سماجی حقیقتوں کی عکاسی کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ آبادی میں بے تحاشہ اضافے، دیہی زندگی کی پیچیدگیوں کی مثالوں، بنیادی سہولتوں کے فقدان "وٹہ سٹہ" کی مذموم رسم جیسے معاملات کی بات کرتے ہیں۔

اسٹریٹ تھیٹر کی قوت

۱۹۸۷ء میں نوجوانوں کا ایک گروپ "اجوکا" سے الگ ہوگیا اور اس نے "پنجاب لوک رہس" کے نام سے اپنا ایک الگ گروپ قائم کرلیا۔ جو چیز انہیں دوسروں سے منفرد کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے کھیل پنجابی زبان میں کرتے ہیں، کبھی کامیڈی نہیں کرتے اور زیادہ تر سنجیدہ موضوعات پر کھیل کرتے ہیں جن میں ایک واضح سماجی پیغام ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک کھیل کیا تھا جو زیادتی کا نشانہ بننے والی خواتین اور ان کے ساتھ معاشرے کے سلوک کے موضوع پر تھا۔ انہوں نے چند

باقی صفحہ ۲۲

خالد احمد اور شیما کرمانی کے ڈرامے کا ایک منظر

امان اللہ میمن و سلام اللہ میمن

تحقیق

اسپتالوں میں استعمال شدہ سرنجوں کا کاروبار

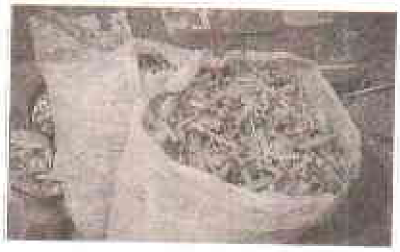

آج کل ایڈز اور یرقان کی مختلف شکلوں کے اسباب اور اثرات کے بارے میں عوام میں شعور و آگہی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان بیماریوں کے انسانوں میں پھیلنے کا ایک بڑا سبب استعمال شدہ آلودہ سرنج کا استعمال بھی ہے۔ شہر کے چند اسپتالوں کے سوا جو کچرے کو جلانے والی بھٹیاں استعمال کرتے ہیں، بیشتر اسپتالوں کا کچرہ اسپتال کی چاردیواری کے اندر ہی یا قریب بنی ہوئی کچرہ کنڈی (ڈسٹ بن) میں پھینک دیا جاتا ہے۔ حال ہی میں "بزنس ریکارڈ" میں شائع ہونے والے ایک سروے میں بتایا گیا کہ نیو کراچی، بوتل گلی، افراسیاب کالونی اور لائٹ ہاؤس کے تقریباً" تیس سے زائد تاجر استعمال شدہ ڈسپوز ایبل (پھینک دی جانے والی) سرنجیں کباڑیوں سے خرید کر انہیں دوبارہ استعمال کے لئے نئے سرے سے پیک کردیتے ہیں۔

سروے میں بتایا گیا کہ شہر کے کچھ بڑے اسپتالوں جن میں سرکاری اور پرائیویٹ دونوں شامل ہیں کی انتظامیہ بھی شعوری طور پر یا لاعلمی میں اس مذموم کاروبار میں شریک ہے۔ کراچی شہر کے چند بڑے پرائیویٹ اسپتالوں میں کچرے کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں ایک ماحولیاتی سروے کے نتیجے میں یہ انکشاف ہوا کہ ان اسپتالوں میں استعمال شدہ ڈسپوزل سرنجوں کی (جن کی سوئیاں نہیں توڑی جاتیں) فروخت کا کاروبار جاری ہے۔

ابتداء میں سینئر اسٹاف نے ہمیں بتایا کہ سرنجیں ناکارہ کردی جاتی ہیں ان کی سوئیاں توڑ دی جاتی ہیں اور انہیں بھٹی میں جلا دیا جاتا ہے۔ تاہم جب ہم نے بھٹی کا معائنہ کیا (جو اس وقت کام کررہی تھی) سب سے پہلے تو ہمیں بھٹی کا اتنا چھوٹا سائز دیکھ کر حیرت ہوئی جو اتنے بڑے اسپتال کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ناکافی تھی۔ ہمیں یہ دیکھ کر دوسری حیرت کا سامنا کرنا پڑا کہ جلائے جانے والے کچرے میں کوئی سرنج نظر نہیں آرہی تھی۔ جب ہم نے اس بارے میں متعلقہ اہلکار سے پوچھا تو اس نے جواب دیا "بابو۔ سرنجیں نہیں جلائی جاتیں، بلکہ انہیں الگ کرکے ٹھیکیدار کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے اس سے اچھی خاصی رقم ملتی ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں ہم اپنی روزی جلا ڈالیں۔" یہ پریشان کن اطلاع ملنے پر جب ہم نے اسپتال کے انتظامی عملے سے رجوع کیا تو انہوں نے سرے سے ہی انکار کردیا کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔

ہم نے اپنی تحقیقات کا رخ تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے اپنے ایک دوست سے مدد مانگی جس نے ایک دوا ساز کمپنی کے نمائندے کی حیثیت سے کچرے کو ٹھکانے لگانے والے ملازم سے ملاقات کی اور اس سے ڈسپوزایبل سرنجیں خریدنے کی پیشکش کی۔ وہ اہلکار اسے فوراً" ہی بھٹی کے قریب بنے ہوئے کمرے میں لے گیا جو استعمال شدہ سرنجوں (جنہیں ناکارہ نہیں کیا گیا تھا) اور بوتلوں ڈرپ وغیرہ سے بھرا ہوا تھا اور وہ سب فروخت کے لئے تھیں۔ اس اہلکار نے ہمارے دوست کو اسپتال کے ٹھیکیدار کا نام اور ٹیلی فون نمبر بھی بتایا اور پیشکش کی کہ وہ ڈسپوزایبل اشیاء کی سو بوریاں فراہم کرسکتا ہے۔ اس نے ہمارے دوست کو بتایا کہ وہ اسے دوسرے مقامی اسپتالوں کے بھی متعلقہ آدمیوں سے ملوادے گا جو یہ کاروبار کرتے ہیں۔

> **عوام کی زندگیاں بچانے کے ذمہ دار ادارے موت کی سوداگری کے کھیل میں شریک ہیں**

یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ ادارے جو عوام کی زندگیاں بچانے کے ذمہ دار ہیں موت کی سوداگری کے اس کھیل میں شریک ہیں۔ ان اسپتالوں کی اعلیٰ ترین انتظامیہ کو (اگر وہ خود اس میں ملوث نہیں ہے) اس صورتحال کا فوری خاتمہ کرنا چاہئے اور حکومت کو بھی اس انتہائی سنگین مسئلے پر فوری توجہ دینی چاہئے۔

(امان اللہ اور سلام اللہ میمن انجینئرنگ کے طالب علم ہیں)

ایڈیٹر کا نوٹ

شہر کے بیشتر اسپتالوں میں کچرے کو بہ حفاظت ٹھکانے لگانے کا معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے گزشتہ کئی برسوں سے اسپتالوں کے ضرر رساں کچرے کو غیر مناسب طور پر پھینک دینے کا مسئلہ خطرناک حد تک سنگین ہوتا جارہا ہے۔ "شہری" نے کسی اسپتال کا نام لئے بغیر اس سنگدلانہ اور غیر انسانی نوعیت کے مذموم کاروبار کی نشاندہی کی ہے۔ کوئی بھی شخص یا تنظیم جو اس مسئلے کو متعلقہ حکام کے سامنے پیش کرنے یا کسی فورم پر اس پر بحث کی خواہش مند ہو وہ خوشی "شہری" سے رابطہ قائم کرسکتی ہے۔ عوامی تنظیموں کے اس سنگین مسئلے کے بارے میں ہم ہر ممکن مدد کے لئے تیار ہیں۔

ایڈیٹر

شہری کا ساتواں سالانہ اجلاس عام

"شہری" کے ساتویں سالانہ اجلاس عام کے ایجنڈے میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔

۱۔ ۱۹۹۶ء میں شہری کی سرگرمیوں کے بارے میں جنرل سیکریٹری کی رپورٹ۔

۲۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۶ء کو ختم ہونے والے سال کے لئے آڈٹ شدہ حسابات کی منظوری۔

۳۔ سال ۱۹۹۷ء کے لئے آڈیٹرز کے تقرر اور معاوضے کی منظوری۔

۴۔ چیئرپرسن، وائس چیئرپرسن، جنرل سیکریٹری، خازن اور منیجنگ کمیٹی کے تین ارکان کا انتخاب۔

شہری برائے بہتر ماحول کے چیئرپرسن قاضی فائز عیسیٰ نے اجلاس کی صدارت کی۔ انہوں نے ۱۹۹۶ء کے دوران شہری سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔ شرکاء کو شہری کی مختلف سب کمیٹیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں بتایا گیا۔ میڈیا اور بیرونی روابط سب کمیٹی کی رپورٹ بھی پیش کی گئی اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ مالی تنگی کی وجہ سے "شہری" کے سندھی نیوزلیٹر کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ شہری کے نیوزلیٹرز مقبول ہو رہے ہیں اور ان کے قارئین کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

اجلاس میں بتایا گیا کہ شہری کی قانونی سب کمیٹی نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور دیگر متعلقہ شعبوں سے مسلسل رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ مسٹر واجد علی رانا نے کے بی سی اے کی کارکردگی پر نظر رکھنے کے لئے ایک نگراں کمیٹی قائم کی تھی جس میں شہریوں کے نمائندوں، شہری، پیشہ ورانہ تنظیموں اور ماہرین کو نمائندگی دی گئی تھی۔ اجلاس کو یہ بھی بتایا گیا کہ شہری کی انسداد آلودگی سب کمیٹی نے گاڑیوں اور پاور پلانٹس سے پیدا ہونے والی آلودگی کے مسائل کے بارے میں سیمینار منعقد کئے تھے، ان سیمیناروں کی کامیابیوں کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ اجلاس میں کراچی کی حکومت میں شہریوں کا کردار کے موضوع پر منعقد کرائے جانے والے سیمینار کے اغراض و مقاصد اور کامیابیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی۔

سال ۱۹۹۶ء کے آڈٹ شدہ حسابات پڑھ کر سنائے گئے اور شرکاء میں ان کی نقول تقسیم کی گئیں۔ ۱۹۹۷ء کے لئے آڈیٹرز کے معاوضے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

چیئرپرسن، وائس چیئرپرسن، جنرل سیکریٹری اور منیجنگ کمیٹی کے تین ارکان کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ شہری برائے بہتر ماحول کے انتخابات کے نتائج درج ذیل ہیں۔

قاضی فائز عیسیٰ	چیئرپرسن
وکٹوریہ ڈی سوزا	وائس چیئرپرسن
امبر علی بھائی	جنرل سیکریٹری
نوید حسین	ایگزیکٹو ممبر
خطیب احمد	ایگزیکٹو ممبر

"شہری" کے ساتھ ایک شام

کراچی میں ماحول کے انحطاط کے مسئلے کے بارے میں عوام میں آگہی پیدا کرنے اور "شہری" کی انتظامیہ اور عملے کے اخراجات کے لئے فنڈز اکٹھا کرنے کی غرض سے شہریوں کو دعوت دی گئی کہ وہ کچھ وقت "شہری" کی ٹیم کے ساتھ گزاریں اور کراچی کے ماحول سے متعلق مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کریں۔ ممتاز تاجر اور کالم نویس اردشیر کاؤس جی مہمان خصوصی تھے جبکہ پروگرام کے رابطہ کار "شہری" کے ممبر مسٹر عمران جاوید تھے۔

شہری برائے بہتر ماحول کی جنرل سیکریٹری امبر علی بھائی نے شہری اور اس کی سرگرمیوں کا مختصر تعارف کرایا۔ شہری کے رکن رولینڈ ڈی سوزا نے ایک عام شہری کی ذمہ داریوں کے بارے میں اظہار خیال کیا۔

جناب اردشیر کاؤس جی نے رولینڈ ڈی سوزا اور امبر علی بھائی جیسے افراد کے "اپنی مدد آپ" کے جذبے کی تعریف کی اور کہا کہ شہری کی ٹیم مجموعی طور پر اپنی ذاتی اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں سے وقت نکال کر کراچی کے شہریوں کی اجتماعی بہبود کے لئے کام کررہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ "شہری" چونکہ ایک غیر منافع بخش رضاکار تنظیم ہے اسے شہریوں کی جانب سے بھرپور اخلاقی اور مالی مدد کی ضرورت ہے کیونکہ یہ انہی کے لئے ایک بہتر ماحول پیدا کرنے کی جدوجہد کررہی ہے۔ جناب کاؤس جی نے مخیر حضرات اور تاجروں سے اپیل کی کہ وہ آگے بڑھیں اور شہری کے لئے عطیات دیں۔ جناب کاؤس جی نے خود بھی "شہری" کے لئے ایک بھاری رقم کا عطیہ دیا۔ اس موقع پر مقامی تاجروں مسٹر احمد ابراہیم اور کیپٹن فرخ نے بھی عطیات دینے کا اعلان کیا۔

اس موقع پر شہری ماحول کے مسائل سے متعلق یونیسف کی تیار کردہ ایک دستاویزی فلم کی بھی نمائش کی گئی۔

عمران جاوید نے پروگرام کی میزبانی کی

اردشیر کاؤس جی خطاب کر رہے ہیں

کے بی سی اے کی نگراں کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ

کراچی کے ماسٹر پلان اور متعلقہ اداروں کے بعض فرسودہ قواعد و ضوابط پر نظرثانی کی ضرورت ہے

شاہ محمد مصباح، مصباح نجمی، نوید حسین، مقبول رحمت اللہ، فرحت عادل اور رولینڈ ڈی سوزا خطاب کر رہے ہیں

"شہری" نے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی کارکردگی کے بارے میں ایک سیمینار منعقد کیا جس کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

○ پی سی اے ٹی پی، پی ای سی اور "آباد" کے قواعد و ضوابط اور اغراض و مقاصد کا جائزہ لینا، تاکہ انہیں کراچی اور پاکستان کے ٹاؤن پلاننگ اور تعمیراتی قوانین اور کے بی سی اے کے طریق کار کے مطابق بنایا جاسکے۔

○ نگراں کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاسکے۔

○ نگراں کمیٹی کی تشکیل اور اس ضمن میں پیدا ہونے والے مسائل کا جائزہ۔

○ کمیٹی کے ارکان کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں پیش آنے والے مسائل کا جائزہ لینا اور ان کا ایسا حل پیش کرنا جن سے ادارے میں شفاف پن، پیشہ ورانہ اور باہمی رابطے کو فروغ حاصل ہو، ہر ایک کے ساتھ انصاف ہو جس کے نتیجے میں ماحول بہتر ہوگا۔

○ گزشتہ نو برسوں کے دوران ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کے سلسلے میں "شہری" کے تجربات اور ان کی وجہ سے شہریوں کو درپیش مسائل کا جائزہ اور کراچی کے مستقبل کا طویل المیعاد جائزہ۔

مقررین

مسٹر مقبول رحمت اللہ (سابق وزیر ہاؤسنگ و ٹاؤن پلاننگ، حکومت سندھ)

جناب شاہ محمد مصباح (چیف کنٹرولر بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی)

ڈاکٹر جمیل احمد (چیئرمین پی ای سی)

جناب مصباح نجمی (چیئرمین پی سی اے ٹی پی)

جناب رولینڈ ڈی سوزا (ایف این ڈی، شہری کے نمائندے)

نوید حسین

"شہری" کے نوید حسین نے اپنی افتتاحی تقریر میں ایک ایسی طویل المیعاد

غیرقانونی تعمیرات میں بے لگام اضافے پر قابو پانے کے لئے کے بی سی اے کو عدالتی اختیار دیا جائے

ہاؤسنگ و ٹاؤن پلاننگ پالیسی تشکیل دینے کی ضرورت پر زور دیا جس میں کچی آبادیوں (جو شہری آبادی کا ۶۰ فیصد ہیں) اور آبادی میں عمومی اضافے (شرح ۶ فیصد سالانہ) کے مسائل حل کرسکے۔ نوید حسین نے ماسٹر پلان پر بھی نظرثانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا جس پر اس وقت عمل نہیں ہو رہا ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ شہر کی مجموعی بہبود کی خاطر "آباد" پی سی اے ٹی پی، پی ای سی، کے بی سی اے اور دیگر فریقوں کو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان اداروں کے بعض فرسودہ قواعد و ضوابط پر نظرثانی کی جائے۔

جناب مقبول رحمت اللہ

نے نگراں کمیٹی کا پس منظر بیان کیا اور ان حالات اور قاعد کا حوالہ دیا جن میں یہ کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ انہوں نے ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کے سلسلے میں اپنے ذاتی تجربات بھی بتائے۔

جناب شاہ محمد مصباح

نے غیرقانونی تعمیرات کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے نگراں کمیٹی کے ارکان کے کردار کی تعریف کی۔ انہوں نے غیرقانونی تعمیرات میں بے لگام اضافے کی مختلف وجوہات بتائیں جن میں آبادی کی سطح میں بے تحاشہ اضافہ، املاک کی قیمتوں میں اضافہ اور شہر کے پھیلاؤ میں افقی بجائے عمودی اضافہ شامل ہے انہوں نے کے بی سی اے کے قواعد و ضوابط پر نظرثانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور کے بی سی اے کو عدالتی اختیارات دینے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے ضلعی انتظامیہ، پولیس اور عدلیہ کے کردار پر بھی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے "آباد" کی جانب سے توہین عدالت کی درخواستیں دائر کرکے کے بی سی اے کے افسران کو ہراساں کرنے کی بھی مذمت کی۔ جناب مصباح نے کہا کہ اگر صارفین اور خریداروں میں کے بی سی اے کے قواعد اور طریق کار کے بارے

شاہ محمد مصباح

میں زیادہ معلومات و آگہی پیدا کی جائے تو اس سے صورتحال کو بہتر بنانے میں بہت مدد ملے گی۔ انہوں نے اس سلسلے میں متعدد سفارشات پیش کیں۔

جناب مصباح نجمی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ نگراں کمیٹی کا جس کے وہ خود بھی رکن ہیں کام سہولت و ہمواری سے نہیں ہو پاتا ہے بلکہ مختلف محکموں اور دیگر لوگوں کے درمیان مسلسل چپقلش ہوتی رہتی ہے۔ متعلقہ حکام کمیٹی کے ارکان کی سفارشات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ مسٹر نجمی نے تجویز پیش کی کہ چونکہ اس کاروبار کو دولت ہی کنٹرول کرتی ہے لہٰذا قانون شکنی کرنے والوں پر جو جرمانے اور سزائیں نافذ کی جائیں وہ مالی لحاظ سے بہت سخت ہونی چاہئیں۔ اس سے نہ صرف قوانین کی پابندی ہوگی بلکہ دولت ہی وہ زبان ہے جو قانون شکنی کرنے والے زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

"شہری" کے نمائندے رولینڈ ڈی سوزا نے سیمینار میں کمیٹی کی کارکردگی کے بارے میں اپنا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔

سفارشات

(ا) سیاسی سطح پر ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کا پختہ عزم کیا جائے۔ اعلیٰ حکام (سیاسی یا نوکرشاہی) کی جانب سے ناجائز تعمیرات کی اجازت دینے کے سلسلے میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔

(ب) اختیارات کے غلط استعمال کو روکا جانا چاہئے۔

(ج) سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس کی دفعہ ۱۹ میں مناسب ترمیم کی جائے اور ان خلاف ورزیوں کی واضح طور پر نشاندہی کردی جائے جنہیں ریگولرائز کیا جاسکتا ہے اور جنہیں ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

(د) کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی منظوری سے پہلے ہی شہری سہولتوں کے اداروں کی جانب سے این او سی طلب کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔

(ہ) شہری سہولتوں کے اداروں کو ہدایت کی جائے کہ بلڈنگ پلان کی منظوری سے قبل وہ عارضی سروس فراہم نہ کریں اور کے بی سی اے کے تکمیلی سرٹیفکیٹ کے بغیر مستقل کنکشن نہ دیئے جائیں۔ تاہم درخواست گزار کی درخواست کی منظوری کسی بھی مرحلے پر کی جاسکتی ہے البتہ سروس اتھارٹی کی جانب سے تکمیل کے سرٹیفکیٹ کے اجراء سے پہلے ہرگز نہ دی جائے۔

(س) عدالتوں سے درخواست کی جائے کہ سول مقدمات میں حکم امتناعی جاری کرنے سے قبل وہ ان امور پر غور کرلیں۔

۱) دائرہ اختیار کا تعین

۲) متنازعہ تعمیر کی معائنہ رپورٹ اور تصاویر کے ذریعے اس کی تازہ ترین صورت حال کا تعین کرلیں۔

۳) کے بی سی اے، ضلعی انتظامیہ اور پولیس کی کارروائی کے خلاف حکم امتناعی کی قانونی حیثیت

۴) صورت حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کی پابندی بلڈر اور کے بی سی اے دونوں پر عائد کی جائے۔

(ص) ایک ایڈیشنل جج اور ایک ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج مقرر کئے جائیں جن کا دائرہ اختیار صرف کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی ہو۔

(ط) تمام سہولتوں سے لیس پولیس کا خصوصی دستہ چیف کنٹرولر آف بلڈنگز کی ماتحتی میں دیا جائے۔

(ف) نگراں کمیٹی کی سفارشات کے مطابق زوننگ اور تعمیرات کے قوانین میں ترمیم کی جائے۔

(ق) کے بی سی اے کی جانب سے جاری کئے جانے والے این او سی میں ایسی شرائط شامل کی جائیں جن سے عوام کے حقوق اور مفادات کا تحفظ ہو۔

شاہ محمد مصباح

چیف کنٹرولر آف بلڈنگز، کے بی سی اے

بقیہ ⇦ شہری زندگی کا دباؤ

سماجی سطح پر اس کا اظہار منشیات پر انحصار، جرائم، ذہنی امراض، تشدد، قتل، خودکشی اور منفی سیاست کی شکل میں ہوتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر اس کا اظہار بے حسی اور لاتعلقی، پریشانی، ڈپریشن، نیند نہ آنا، توہم اور خوف کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ذہنی دباؤ سے پیدا ہونے والے بڑے مسائل میں ذہنی اور جسمانی بیماریاں اور بظاہر کسی بیماری یا معذوری کے خود کو بیمار ظاہر کرنا شامل ہیں۔ چونکہ وہ اس کا تعلق ذہنی دباؤ سے نہیں بتاتے اس لئے ان شکایات پر توجہ نہیں دی جاتی یا پھر انہیں غیرضروری طور پر وٹامنز اور ٹانکوں کی بھرمار کردی جاتی ہے اور حال ہی میں نام نہاد دماغ کو قوت دینے والی ادویات دی جانے لگی ہیں۔ اگرچہ مکمل اعدادوشمار دستیاب نہیں ہیں تاہم چند جائزوں سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ ہماری آبادی کا ۵۰ فیصد حصہ، صورتحال سے نمٹنے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی سے اس عذاب کو بھگت رہا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کے مطابق "صحت" صرف ایک بایو میڈیکل مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر فرد کے سماجی، ثقافتی، نفسیاتی، معاشی اور سیاسی عوامل بھی اثرانداز ہوتے ہیں۔ سندھ میں اور خصوصاً کراچی میں یہ تمام عوامل منفی انداز میں بڑی شدت کے ساتھ کارفرما ہیں اور ہر قسم کے ایسے دباؤ پیدا کررہے ہیں جا نارمل انداز میں زندہ رہنے کے لئے سازگار حالات نہیں ہیں۔ بڑے پیمانے پر معمولی بیماریاں، محض زندہ رہنا اور معمولی کارکردگی ایسے مسائل ہیں جن پر فوری طور پر اور محض طبی معائنہ سے بڑھ کر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(پروفیسر ایس ہارون احمد ملک کے ممتاز سائیکاٹرسٹ اور انسانی حقوق کے ایکٹویسٹ ہیں) (آئی پی سی فیچر سروس)

فرحان انور

پاکستان کے قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات

ایک تنقیدی جائزہ

قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (این ای کیو ایس) حکومت پاکستان نے ۲۹ اگست ۱۹۹۳ء کو جاری کئے تھے۔ ان کا اطلاق میونسپلٹیوں اور گاڑیوں پر فوری طور سے ہونا تھا۔ این ای کیو ایس کے آخری مرحلے کے نفاذ کے لئے جن کا اطلاق زیادہ تر صنعتوں پر ہونا تھا آخری تاریخ یکم جولائی ۱۹۹۶ء مقرر کی گئی تھی۔ اس اعلان کے ساتھ ہی این ای کیو ایس کے بارے میں گرماگرم بحث شروع ہوگئی تھی۔ جو لوگ ان معیارات کی مخالفت کر رہے تھے وہ انہیں ترقی کا دشمن قرار دے رہے تھے جبکہ اس کی حمایت کرنے والوں کا موقف تھا کہ این ای کیو ایس ملک کی پائیدار ترقی کی کلید ہے۔ این ای کیو ایس پر عملدرآمد سے ہمارے ملک کی معاشی ترقی پر طویل المیعاد اثرات مرتب ہوں گے لہٰذا ایک غیرجانبدارانہ جائزے کی ضرورت ہے۔

کسی بھی حکومت کو جو ماحولیاتی کوالٹی معیارات کے تعین اور نفاذ کے مسئلے سے دوچار ہو سب سے پہلے آلودگی کو کنٹرول کرنے کی لاگت اور اسکے مقابلے میں دوسرے مقاصد مثلاً تعلیم، رہائش، معاشی ترقی وغیرہ کی لاگت کا موازنہ کرنا چاہئے۔ لہٰذا نہ صرف اس بات کا فیصلہ کیا جانا چاہئے کہ آلودگی کی روک تھام کی جائے بلکہ اس بات کا بھی فیصلہ کیا جائے کہ کتنی آلودگی اور کس قسم کی آلودگی کو کس جگہ پر کنٹرول کیا جائے۔

یہ محسوس ہوتا ہے کہ این ای کیو ایس ہماری ترجیحات پر پورا نہیں اترتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صنعتی شعبے کو سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے والا شعبہ قرار دیا گیا ہے اور بیشتر کوششوں کا مقصد صنعتوں کو مقررہ معیارات کا پابند بنانا ہے۔ یہ بات عجیب لگتی ہے کہ بڑی پروسیس انڈسٹریز کے اعتبار سے ملک کی صنعتی بنیاد کچھ زیادہ وسیع نہیں ہے اور صنعتی آلودگی کا اثر محدود ہے۔

> ہمارے ملک میں انتہائی متنوع ماحولیاتی ڈھانچے ہیں جن کا تقاضہ ہے کہ یکساں ملک گیر معیارات کے بجائے این ای کیو ایس کے علاقائی معیارات مقرر کئے جائیں

بعض ماہرین کا اصرار ہے کہ این ای کیو ایس کے ذریعے صحت عام اور قوم کے قدرتی وسائل کے تحفظ کی ترجیحات متعین کردی جائیں۔ دستیاب خبروں اور سروے سے ان دوسرے ذرائع کی نشاندہی ہوتی ہے جو آلودگی کا باعث بن رہے ہیں اور صنعتوں کے مقابلے میں زیادہ خطرات پیدا کر رہے ہیں۔ ان ذرائع میں کچرے کو ٹھکانے لگانے کا انتظام، پینے کے پانی میں آلودگی، خام سیوریج پانی کو بہانا، جنگلات کی کٹائی کے باعث صحراگری، سیم اور تھور شامل ہیں۔ آلودگی کے ایسے ذرائع جو کسی ایک مقام تک محدود نہیں مثلاً کھیتوں سے کھاد، کیڑے مار اور جڑی بوٹیاں تلف کرنے والی دواؤں کا بہاؤ اور اسکارپ ٹیوب ویلوں کا پانی ہمارے دریاؤں کے پانی کے معیار کو متاثر کررہے ہیں۔

گزشتہ برسوں کے دوران ملک کے وسائل کو متعین کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کیا کوئی شخص یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ دریائے سندھ میں آلودگی کی سطح حتمی طور پر کتنی ہے اور کن ذرائع سے ہمارے آبی وسائل کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایسے اہم اعدادوشمار کی عدم موجودگی میں ہم کس طرح کوئی حقیقت پسندانہ معیارات نافذ کرسکتے ہیں اور پھر یہ معیارات بھی ہر علاقے کی مناسبت سے ہونے چاہئیں۔ این ای کیو ایس پورے ملک کے لئے استعمال شدہ پانی اور دھویں کے اخراج کے معیارات مقرر کرتا ہے۔ پاکستان میں انتہائی متنوع ماحولیاتی ڈھانچے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ یکساں ملک گیر معیارات کے بجائے این ای کیو ایس کے علاقائی معیارات مقرر کئے جائیں۔

ماہرین کے مطابق اس بے قاعدگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معیارات مقرر کرنے کا یہ عمل دستیاب ٹیکنالوجی، افرادی قوت، معاشی حالات اور ملک کی ماحولیاتی خصوصیات کا تعین کئے بغیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کا موقف یہ ہے کہ ماحولیاتی کوالٹی معیارات کا تعین کرتے ہوئے ہمیشہ مقامی طور پر دستیاب موجودہ ٹیکنالوجی اور تحقیق و ترقی کے تجربات کی سطح کو پیش نظر رکھا جائے۔

پاکستان میں چونکہ آلودگی کنٹرول کرنے کی ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی اس لئے اگر یہ ٹیکنالوجی دستیاب بھی ہو تو لوگوں کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ ٹیکنالوجی درآمد کی جائے گی۔ ایسے مہنگے آلات کی درآمد کی لاگت بہت زیادہ ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں تو اتنی قیمت میں ایک نئی انڈسٹری لگ سکتی ہے۔

ایک ایسے ملک کے لئے یہ مشکل فیصلے ہیں جو کہ اپنی صنعتی بنیاد وسیع کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہو اور وہ بھی عالمی منڈی کے بڑھتے ہوئے مسابقتی ماحول میں کم سے کم وقت میں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اقوام اپنے ماحولیاتی قوانین اپنی صنعتی ترقی کی سطح اور مقامی طور پر دستیاب ٹیکنالوجی کے معیار کو پیش نظر رکھ کر بناتی

باقی صفحہ ۱۴ پر

کچرا سونا ہے!

گل بہاؤ کا نعرہ

کراچی میں روزانہ سات ہزار ٹن ملا جلا کچرہ نکلتا ہے؟ اور اس کچرے میں ۱۴ فیصد یعنی ایک ہزار ٹن کاغذ ہوتا ۔ یہ ردی کاغذ' کاغذ کی کوالٹی کے مطابق ۲ ہزار روپے سے ۶ ہزار روپے فی ٹن فروخت ہوتا ہے یعنی ۲۰ لاکھ روپے سے ۶۰ لاکھ روپے یومیہ۔ اس طرح مجموعی کچرے کا ۷ فیصد پلاسٹک ہوتا ہے جسے اگر روپوں میں تبدیل کیا جائے تو یہ بھی نصف کروڑ روپے یومیہ ہوتا ہے۔ دوسری فالتو اشیاء مثلاً پلاسٹک' شیشہ' کاغذ' دھات وغیرہ کی مالیت ایک کروڑ روپے یومیہ ہوتی ہے۔

اصولاً" ہونا تو یہ چاہئے کہ اس کچرے کا انتظام بلدیاتی ادارے کریں۔ کراچی میں کے ایم سی (کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن) ٹھوس کچرے کو جمع کرنے اور ٹھکانے لگانے کی ذمہ دار ہے۔ بدقسمتی سے جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کے ایم سی اس سلسلے میں خدمات کا ایک قابل قبول معیار فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ کے ایم سی روزانہ نکلنے والے کچرے کا صرف ۳۰ فیصد جمع کرتی ہے اور پھر کچرے کی ری سائیکلنگ بھی نہیں کرتی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں نرگس لطیف اپنے اس نعرے کے ساتھ سامنے آتی ہیں کہ "کچرہ سونا ہے! اسے یونہی مت پھینکئے!" انہوں نے گل بہاؤ بنائی اور وہ اس کی منیجنگ ٹرسٹی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گل بہاؤ' کچرہ جمع کرنے کا ایک باعزت طریقہ ہے۔ یہ کباڑی والے کا جدید انداز ہے۔ جہاں لوگ آتے ہیں اور ایک صاف ستھرے ماحول میں خشک کچرہ فروخت کر جاتے ہیں اور گیلے کچرے کی کھاد بنوا لیتے ہیں۔ اس طرح کچرے کو گلیوں' سڑکوں اور کھیل کے میدانوں میں پھینکنے کا طریقہ ختم ہو جاتا ہے۔

گل بہاؤ' شون سرکل کے قریب کلفٹن میں کلفٹن سینٹر کے قریب ایک جھونپڑی میں کام کر رہی ہے۔ اس کی سربراہ نرگس لطیف ہیں۔ ان کے ساتھ مخلص کارکنوں کی ایک ٹیم ہے جو رضیہ' محمد اکبر' مسز ممتاز مشتاق اور غلام علی پر مشتمل ہے۔ رضیہ اور محمد اکبر اتوار کے سوا ہر روز صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک وہاں آپ کا کچرہ لینے کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی ٹیم اور ان کا معمولی ماحول ہے لیکن یہ سب جوش و جذبے سے سرشار ہیں۔

ہمیں بتایا گیا کہ خشک اور گیلے کچرے کو گھر پر ہی الگ الگ کرلیا جائے۔ خشک کچرہ ہر قسم کے کاغذ' پلاسٹک' شیشے' کپڑے اور دھاتی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ گیلا کچرہ سبزیوں اور پھلوں کے چھلکوں' انڈے کے چھلکوں' پتوں اور بچے کھچے کھانے پر مشتمل ہوتا ہے۔

گل بہاؤ میں کاغذ ۲ روپے فی کلو فروخت کیا جاسکتا ہے جبکہ پلاسٹک ۶ روپے فی کلو خریدا جاتا ہے۔ صفائی/کمائی بینک ایک علیحدہ ادارہ ہے جہاں گیلے کچرے کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ گیلی اشیاء کمپوسٹنگ اور "ٹھنڈی میٹھی کھاد" بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ سبزیوں اور پھلوں کے چھلکوں کو پیسنے کے لئے گھروں میں استعمال ہونے والی قیمے کی ہاتھ سے یا بجلی سے چلنے والی مشین استعمال کی جاسکتی ہے۔ پھر اسے باہر دھوپ میں سکھا لیا جاتا ہے۔ یہ پسا ہوا کچرہ تیزی سے کھاد بن جاتا ہے۔

شون سرکل پر صفائی کمائی بینک میں لوگ اپنا کچرہ فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں جہاں پہلے اسے اس کے مشتملات کی بنیاد پر الگ الگ تولا جاتا ہے۔ یکجا کیا جاتا ہے اور صاف ستھرے بنڈلوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔

نرگس لطیف کا کہنا ہے کہ عوام کا ردعمل بہت اچھا ہے تاہم وہ محسوس کرتی ہیں کہ ابھی معلومات اور شعور کی اس سطح کا فقدان ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ٹیلی ویژن جیسے طاقتور ذریعہ ابلاغ کی مدد سے عوام میں یہ تحریک پیدا کی جائے کہ وہ ہر روز اپنے خشک اور گیلے کچرہ کو الگ الگ کرلیا کریں اور یہی اس پروگرام کی کامیابی کی کنجی ہے۔

گل بہاؤ ایک اور پروگرام پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے حوالے سے شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس کا نام "کراچی سے پہلی بار دنیا کے لئے" ہوگا۔ یہ کے ایم سی کے ساتھ ایک مشترکہ منصوبہ ہوگا۔ تاہم نرگس لطیف محسوس کرتی ہیں کہ اس پروگرام کو جاری رکھنے اور مزید آگے بڑھانے کے لئے بہت زیادہ فنڈز کی ضرورت ہوگی۔

(سلیقہ انور ماحولیات کی سرگرم کارکن اور شہری کی رکن ہیں)

ٹھنڈی میٹھی کھاد کا استعمال

رضیہ اپنے کام سے خوش ہیں

ماحولیاتی شہر... ہیلی فیکس

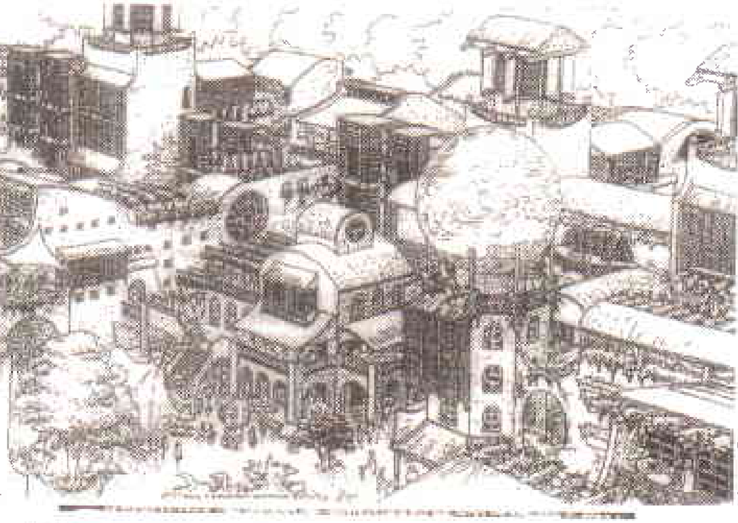

> سولر گاڑیوں کے ضرورت سے زیادہ انحصار کی وجہ سے دس لاکھ آبادی والے شہر کو گرد اور شدید دھوئیں کی آلودگی کا سامنا کرنا پڑا

جنوبی آسٹریلیا کے تدنایا باپوریجن کے وسط میں ہیلی فیکس ایکوسٹی پراجیکٹ شروع کیا گیا ہے۔ یہ پراجیکٹ اربن ایکولوجی آسٹریلیا نے شروع کیا ہے جو اقوام متحدہ سے منسلک ایک غیر سرکاری تنظیم اور جنوبی آسٹریلیا کی تحفظ ماحول کونسل کی رکن ہے، ان کے شریک کار ایکوپولیس (پارٹی) لمیٹڈ ہیں جو ایکولوجی آرکیٹکچر اور پلاننگ کے مشیر ہیں۔ ایکوسٹی پراجیکٹ ایک ایسا منصوبہ ہے جس میں ۲۴ء۲ ہیکٹر (۶ ایکڑ) رقبے کو ایک جدید شہر کے طور پر ترقی دی جائے گی۔ اس میں رہائش کے علاوہ تجارتی اور کمیونٹی سہولتیں موجود ہوں گی۔ زیادہ زور متوسط اور کم آمدنی والوں کے لئے مکانات پر دیا جائے گا۔

ایکوسٹی پراجیکٹ والوں کا کہنا ہے کہ شہروں کا مالک شہریوں کو ہونا چاہئے۔ عام طور پر سرمائے کا کنٹرول ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو صرف منافع کمانے کے لئے تعمیر کرتے ہیں انھیں شہروں کو خوبصورت اور صحت بخش بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

ایڈیلیڈ شہر

۱۸۳۶ء میں برطانیہ نے پہاڑیوں اور سمندر کے درمیان میدانی علاقے میں ایڈیلیڈ شہر کی بنیاد رکھی اور پھر یہ شہر بڑھتا چلا گیا۔ آج ایڈیلیڈ دس لاکھ آبادی کا شہر ہے جس میں جدید شہروں کی تمام سہولتیں اور مسائل موجود ہیں۔ شہر شمالاً جنوباً ۹۰ کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے پہاڑیوں اور سمندر کی جغرافیائی حدود کی وجہ سے مشرقی اور مغربی سمت میں شہر کی توسیع مشکل تھی۔ زبردست پھیلاؤ کی وجہ سے اس نئے شہر کو کاروں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرنا پڑا صرف دس لاکھ آبادی والے اس شہر کو دھوئیں اور گرد کی اس سطح کا سامنا کرنا پڑا جس کی نسبتاً بڑے شہروں میں بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایڈیلیڈ کی فضائی آلودگی نظر نہ آنے والی ہے کیونکہ زیادہ تر کارخانے رہائشی علاقوں میں یا ان کے قریب واقع ہیں۔

آب رسانی کے لئے اس شہر کو زیادہ تر آسٹریلیا کے واحد بڑے دریائی نظام "مرے ڈارلنگ" پر انحصار کرنا پڑتا ہے (عموماً "۵۰ فیصد اور خشک سالی کے برسوں میں ۹۰ فیصد تک) پانی دریا سے پمپ کرکے ۶۰ کلومیٹر پہاڑیوں اور میدانوں سے گزر کر شہر کے آبی ذخیرے تک پہنچتا ہے۔ شہر کا آب رسانی کا نظام فرسودہ اور پرانا ہے سیوریج کا نظام بڑھتی ہوئی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا، نتیجہ یہ ہے کہ ۱۹۹۵ء میں سیوریج ابل کر میٹروپولیٹن ساحل تک پہنچ گیا۔ ہر سال لاکھوں ملین لیٹر سیوریج کا پانی سمندر میں بہادیا جاتا ہے۔ مقامی طور پر کوئلے کے وسائل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایڈیلیڈ میں آدھی بجلی قدرتی گیس جلا کر بنائی جاتی ہے۔

دنیا کے خشک ترین براعظم میں جنوبی آسٹریلیا سب سے زیادہ خشک ریاست ہے۔ لیکن ۱۸۳۶ء میں آبپاشی کا جو نظام یہاں لایا گیا تھا وہ شمالی یورپ کا نظام تھا۔ کاشتکاری کے ذاتی طریقوں کی وجہ سے یہاں زمین پر بڑے پیمانے پر مسائل کا سامنا ہے جن میں جنوبی آسٹریلیا کے دیہی علاقوں میں زمینی کاٹ اور تھور کے مسائل شامل ہیں۔ یہ وہ چند مسائل ہیں جن کی وجہ سے ایکوسٹی پراجیکٹ شروع کرنے والوں نے دنیا کے پہلے ایکوسٹی کے طور پر ایڈی لیڈ کا انتخاب کیا۔ اس شہر کا انتخاب اس منصوبے میں شہر کے لوگوں کے تعاون اور شرکت کی وجہ سے کیا گیا۔

اقوام متحدہ کا اندازہ ہے کہ اس صدی کے اختتام کے تھوڑے عرصے بعد ہی انسانوں کی نصف سے زیادہ تعداد شہروں میں رہ رہی ہوگی۔ عالمی سطح پر فطری نظام حیات کی تباہی کے ذمہ دار شہری ہیں لہٰذا شہروں کو ہی ایکولوجی کے عالمی مسئلے کا حل بننا چاہئے۔ ہیلی فیکس ایکوسٹی پراجیکٹ فطری نظام حیات کو برقرار رکھتے ہوئے ترقی کی ایک مثال ہوگا۔

شہر کی دیواریں جو مٹی کی ہوں گی آبی کٹاؤ سے پیدا ہونے والے کناروں کی از سر نو تشکیل کر کے بنائی جائیں گی ان کناروں کو سبزہ اور پودے لگا کر مستحکم کیا جائے گا۔ کئی میٹر بلند یہ کنارے ماضی میں زراعت کے غلط طریقوں کی وجہ سے بنے جن کی وجہ سے زمین کا نقصان ہوا اور تھور کے مسائل پیدا ہوئے۔ پراجیکٹ لینڈ اسکیپ کو پہنچنے والے اس نقصان کا ازالہ کرے گا۔

ایکوسٹی میں رہنے والے لوگ یہاں رہنے کا فیصلہ کرنے کے بعد ہر طرح کے ماحولیاتی اور سماجی مسائل سے عہدہ برا ہوں گے اور کئی طریقوں سے خود اپنے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ بارش کا تمام پانی جمع کر لیا جائے گا اور سائٹ پر ہی استعمال کیا جائے گا اور آئندہ روایتی انداز میں بارش کے سیلابی ریلے کا مسئلہ بھی نہیں رہے گا۔

ایڈی لیڈ شہر میں آبادی کی گنجانی میں ۷ فیصد اضافہ ہوگا۔ جبکہ ۸۰۰ افراد ساڑھے تین چار سو مکانات میں ویٹریری میں رہائش اختیار کریں گے اس طرح ایڈی لیڈ کے شہری پھیلاؤ کی روک تھام میں مدد ملے گی۔

شہر کے مرکزی محل وقوع کی وجہ سے شہریوں کو وسیع پیمانے پر سہولتیں دستیاب ہوں گی جن میں مرکزی ٹرانسپورٹ نظام بھی شامل ہے جس کی وجہ سے کاروں پر انحصار کم ہو جائے گا۔ شہری ماحول کو ٹھنڈا رکھنے میں بالکونیوں، چھتوں اور صحنوں میں لگائے جانے والے باغات اور سبزہ بہت اہم کردار ادا کریں گے۔ اس سے آلودگی ختم کرنے اور پرندوں اور دیگر جانوروں کے لئے رہنے کی جگہ کی فراہمی میں بھی مدد ملے گی۔ آب و ہوا اور موسم کی مناسبت سے لگائے جانے والے شمسی توانائی کے نظام کی بدولت بجلی پیدا کرنے کی ضرورت بھی کم ہو جائے گی۔ بجلی شمسی

ماحول کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے چھتوں اور صحنوں میں لگائے جانے والے باغات اہم کردار ادا کرتے ہیں

توانائی کے ذریعے پیدا کی جائے گی جو بجلی کے مرکزی نظام سے منسلک ہوں گے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہیلی فیکس ایکوسٹی پراجیکٹ تعلیمی طور پر ثقافتی تبدیلی اور ماحول کے فطری نظام پر مبنی معاشرے کے ارتقاء سے متعلق ہے۔

شہر لوگوں کے لئے ہوتے ہیں

ترقی کے عمل سے اس شعور کا اظہار ہونا چاہئے کہ عوام کے درمیان استحصالی رشتوں کا اظہار اس کرہ ارض کے استحصال سے ہوتا ہے۔ شہر تحقیق کے لگے بندھے اصولوں پر عمل کر کے وجود میں نہیں آتے ان کے وجود کی نوعیت کا تعین غیر مرئی نظام، سیاسی ڈھانچہ، اقتصادی نظام وغیرہ کرتے ہیں۔ شہروں کی منصوبہ بندی کون کرتا ہے؟ کون یہ فیصلہ کرتا ہے کہ شہروں کو کس طرح ڈیزائن کیا جائے۔ کون تعمیری مواد کا انتخاب کرتا ہے اور کس بنیاد پر کرتا ہے۔ اور ان فیصلوں کا ماحول اور ان لوگوں پر کیا اثر پڑتا ہے جو اس مقام سے دور ہوتے ہیں جہاں یہ فیصلے کئے جا رہے ہیں۔

شہری آبادیوں اور معاشی نظام کی تشکیل میں صحیح معنوں میں کمیونٹی کی شرکت ہی فطری نظام حیات کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ اہم اور لازمی ہے۔

ہیلی فیکس ایکوسٹی پراجیکٹ اپنے مکینوں کی آمد سے بہت پہلے ہی تشکیل پا رہا ہے۔ ایکوسٹی پراجیکٹ میں رہنے کے خواہش مند لوگ ہر چھ ہفتے مستقبل کے مکینوں کی میٹنگ میں شرکت کرتے ہیں اور یو ای اے کے زیر اہتمام فنڈز جمع کرنے اور دیگر تقریبات کے لئے سینٹر فار اربن ایکولوجی میں جمع ہوتے ہیں تقریباً ۴۰۰ افراد نے منصوبے میں دلچسپی کے اظہار کے لئے رجسٹریشن کرایا ہے جو اس پراجیکٹ میں رہنے کے خواہشمند ہیں۔ ۶۰ سے زائد خاندان "ننگے پاؤں آرکیٹیکٹ" پروگرام میں حصہ لے کر اپنے گھروں کی ڈیزائننگ میں حصہ لیتے ہیں اور ساتھ ہی تعمیر، منصوبہ بندی اور ایکولوجی کے تقاضوں کے بارے میں سیکھتے ہیں۔

روایتی رہائشی علاقوں کے برعکس پراجیکٹ میں متعدد کمیونٹی سہولتیں دستیاب ہوں گی جن میں میٹنگ ہال، کیفے، ریستوران، بچوں کی دیکھ بھال کے مراکز، کنڈر گارٹن، ایکولوجی سینٹر، لائبریری، مارکیٹ، دکانیں اور دیگر خدمات شامل ہیں۔ یہ سہولتیں بشمول تجارتی مراکز ریستوران اور مارکیٹ دوسرے لوگوں کے لئے بھی دستیاب ہوں گی۔

❖❖❖

بقیہ ⇦ ماحولیاتی معیارات

ہیں۔

ہمارے ملک میں بھی مقامی ٹیکنالوجی کو آسانی سے ترقی دی جاسکتی تھی اور اب بھی دی جاسکتی ہے بشرطیکہ تحقیق و ترقی کے اداروں، یونیورسٹیوں اور دیگر فنی اداروں کو معقول سرمایہ فراہم کیا جائے سستی اور کم لاگت والی مقامی ٹیکنالوجی کی عدم موجودگی کی وجہ سے سب سے زیادہ نقصان ہماری مقامی صنعتوں کو اٹھانا پڑے گا کیونکہ کثیرالقومی کمپنیوں کے لئے تو ہمارے ماحولیاتی کوالٹی کے تقاضے پورے کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ بالآخر عام لوگ ہی خسارے میں رہیں گے کیونکہ اضافی لاگت کو پورا کرنے کے لئے صنعتیں اپنی مصنوعات کی قیمت بڑھا دیں گی۔ کیا ہمارے پالیسی سازوں نے اس صورتحال کا بھی پوری طرح جائزہ لیا ہے؟

ایک اور باعث تشویش پہلو مانیٹرنگ کا عمل ہے۔ بیشتر ماہرین کا خیال ہے کہ ہمارے مقامی نگراں ادارے مثلاً صوبائی تحفظ ماحول کی اتھارٹیز اور تحقیق و ترقی کے ادارے ان فنی سہولتوں اور آلات سے محروم ہیں جن کے ذریعے ان قواعد کو موثر طور پر نافذ کیا جاسکے۔ اندیشہ یہ ہے کہ اگر سب سے پہلے ان اداروں کو مستحکم نہ کیا گیا یعنی فنی اور مالی دونوں اعتبار سے تو ان میں ہمیشہ بیرونی مداخلت کا خطرہ رہے گا اور اس طرح ان کی موثر حیثیت بری طرح متاثر ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صنعتی آلودگی کی مانیٹرنگ کی جانی چاہئے اور اس کی روک تھام ہونی چاہئے تاہم کیا ہمیں اپنی ترجیحات کا دوبارہ تعین نہیں کرنا چاہئے؟ کیا ہمیں پینے کے صاف اور محفوظ پانی، مناسب رہائش، کچرے کو جمع کرنے اور سیوریج کو مناسب طور پر ٹھکانے لگانے کے انتظامات اور تعلیم کی فراہمی کو ترجیح نہیں دینی چاہئے یا کم از کم اپنی ماحولیاتی ترجیحات میں انہیں برابری کا درجہ نہیں دینا چاہئے؟ ہم صرف اپنی کمزور صنعتی بنیاد ہی کو نشانہ بنائیں (خیال رہے کہ ہمارے صنعتی شعبے میں گزشتہ سال افزائش کی شرح صرف ۴ء۱ فیصد تھی) ہماری قوم کی آئندہ ترقی اور خوشحالی کا دارومدار ان فیصلوں پر ہے جو آج ہم کریں گے۔

ش۔ فرخ

پاکستان دنیا کا ساتواں گنجان آباد ملک بن گیا

آبادی گھٹاؤ، ملک بچاؤ

ہم ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں بیشتر لوگ جذبہ حب الوطنی کے تحت بچے پیدا کرتے ہیں۔ ایک بار میں نے ایک دینی جماعت کی رکن خاتون سے کہا ماشاء اللہ آپ نے تو کمال کردیا۔ ہمت ہے آپ کی۔ بڑے دو لڑکے بر سرروزگار ہیں۔ تین بیٹیوں کی شادی ہوچکی ہے اور یہ چھوٹا بچہ ابھی اسکول جاتا ہے' زرد چہرے اور لاغر جسم والی نو بچوں کی ماں نے بڑے فخر سے کہا۔ اللہ کا شکر ہے۔ بڑے ہو کر ملک و دین کی خدمت کریں گے۔

اس طرح ہمارا ملک دنیا کا ساتواں گنجان آباد ملک بن گیا۔ آبادی کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ۲ء۶ کی شرح سے سن ۲۰۰۰ء میں ہمارے ملک کی آبادی ۱۴۹ ملین اور ۲۰۲۰ء تک ۲۴۳ ملین ہوجائے گی۔ ہمارے ہاں اوسطاً "چھ بچے فی خاندان ہیں۔ اس پر دھیان چین کی طرف جاتا ہے جہاں ایک بچے کی سخت پابندی لگائی گئی تھی اور اس پر عمل کیا گیا۔ ہم ہمیشہ سے "بچے دو ہی اچھے" کا نعرہ لگاتے رہے اور جس کا جتنا جی چاہا اتنے بچے پیدا ہوتے رہے۔ عابدہ حسین کا کہنا ہے کہ ان کی وزارت کی کوشش ہے کہ آبادی کے اضافے کی شرح کو ۱ء۷ تک اور چھ بچوں کو چار بچے فی خاندان تک لایا جائے لیکن یہ کام کس طرح ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم نے یہ انتظار کیا کہ ہمارے لوگوں کی سوچ میں مثبت تبدیلی آئے گی تو اس کے لئے تو آئندہ پچاس سال بھی کم ہوں گے۔ وفاقی وزیر آبادی عابدہ حسین پاوہنا (PAVHNA) یعنی پاکستان والنٹری ہیلتھ اینڈ نیوٹریشن ایسوسی ایشن کی دو روزہ ورکشاپ کے افتتاحی اجلاس میں مہمان خصوصی تھیں۔ پاوہنا' صحت اور غذایت پر کام کرنے والی ۳۰ تنظیموں پر مشتمل ایک ادارہ ہے جو گزشتہ اٹھارہ برس سے سرگرم عمل ہے۔ اس کے تحت کراچی کے مضافات کے علاوہ ملک کے دوسرے شہروں میں فلاحی کاموں کے علاوہ تربیتی پروگرام بھی منعقد کئے جاتے ہیں۔ "ترقی میں تذکیرو تانیث (GENDER) کے معاملات اور بار آوری کے پروگرام" کے موضوع پر منعقد کی گئی اس تقریب میں پاوہنا کی صدر زیبا زبیر نے آبادی میں روز افزوں اضافے کی پریشان کن صورت حال پر قابو پانے کے لئے تولیدی صحت کے بارے میں شعور پیدا کرنے کی تجویز پیش کی۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب سرکاری اداروں اور غیر سرکاری تنظیموں کے مابین رابطہ ہو۔ اس سے نہ صرف متعلقہ پروگراموں کے بارے میں تبادلہ خیال کا موقع ملے گا بلکہ عوام کو پیش کی جانے والی خدمات کی مناسب تقسیم بھی ممکن ہوگی۔ اس ضمن میں حکمت عملی' منصوبہ بندی' عملدرآمد کے علاوہ سیاسی سرگرمی بھی لازمی ہے۔ سیاسی سرگرمی سے زیبا زبیر کی مراد یہ تھی کہ حکومت کی جانب سے آبادی کے بارے میں بھرپور مہم چلائی جائے۔ آج کل "قرض اتارو' ملک سنوارو" اور "اپنا اگاؤ اپنا کھاؤ" جیسے نعرے مقبول ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور نعرہ یہ بنتا ہے "آبادی گھٹاؤ' ملک بچاؤ" لیکن ضرورت نعرے بازی کے بجائے عملی اقدامات کی ہے۔

بہر حال پاوہنا کی بات خاصی پر اثر ثابت ہوئی کہ ورکشاپ کے دو دن بعد خبر چھپی کہ وزیر اعظم آبادی پروگرام کی سربراہی کریں گے۔ معاً "ماضی قریب کی کچھ خبریں ذہن میں گھوم گئیں۔ مثلاً ماحولیاتی کونسل' بیرون ملک سرمایہ کاری وغیرہ کے لئے سابقہ دور حکومت

تین سالہ بیٹے کی پندرہ سالہ ماں

کے "مرد اول" کی سربراہی۔ اس وقت عام رائے یہ ہوتی تھی کہ جہاں پیسے کی بات ہوتی ہے یہ صاحب وہاں براجمان ہوجاتے ہیں۔ آبادی کے پروگراموں وغیرہ کے لئے نفیس صادق عرصہ سے سرگرم عمل ہیں اور اب سیدہ عابدہ حسین وزیر آبادی ہیں تو بھلا وزیر اعظم کو بہ نفس نفیس اس چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ معاملہ بہت سے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی امداد کا ہے تو ان دو عدد خواتین پر اعتبار کریں کہ وہ سب کام خوش اسلوبی سے نمٹائیں گی۔ وزیر اعظم کے کرنے کو بہت سے کام ہیں۔ بہت سے توجہ طلب مسائل ہیں۔

سیدہ عابدہ حسین کا کہنا تھا کہ ہمارے ہاں خواندگی پر بہت زور دیا جاتا ہے جبکہ آبادی کی صورت حال اس سے کہیں زیادہ تشویش ناک ہے۔ ان کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے پڑھے لکھے بے وقوف ہوتے ہیں جبکہ بہت سے ان پڑھ دانش مند ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شرح خواندگی کو بڑھانے کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اسی لئے کہ دونوں کو پڑھانے کی ضرورت ہے۔ پڑھے ہوئے بے وقوف کو اور پڑھاؤ کہ اس کی موجودہ بے وقوفی جاتی رہے۔ ان پڑھ کو پڑھنے کا موقع دو کہ اس کی فطری ذہانت مزید روشن ہوجائے۔ بہر حال اب کے عابدہ حسین خاصے دوستانہ اور عوامی موڈ میں تھیں' ان کا کہنا تھا کہ میں اپنے ہمراہ ایک اہلکار کو لائی ہوں تاکہ ٹیلی فون نمبروں کا تبادلہ ہوسکے۔ مجھے آپ میں سے کوئی بھی' کسی بھی وقت' فون کرے گا/کرے گی میں پہلی فرصت میں رابطہ کروں گی۔ یہ اور بات ہے کہ اجلاس کے اگلے سیشن میں کئی لوگوں نے اپنی تقریر میں کہا اچھا ہوا سیدہ چلی گئیں مجھے ان کی فلاں بات سے اختلاف ہے۔ انہوں نے ایسا کہا جبکہ میرا خیال ہے کہ.....

خیر ایسے موقعے اسی لئے ہوتے ہیں کہ بحث مباحثے کے نتیجے میں بہتر طور پر حکمت عملی تشکیل دی جاسکے لیکن بقول عابدہ حسین کے ہم گزشتہ ۲۵ برسوں سے ان موضوعات پر صرف کانفرنسیں کررہے ہیں جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ عملی اقدام کئے جائیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ایک طرف ہم عورت کی صحت کی بات کرتے ہیں۔ ہم اپنے معاشرے میں تذکیرو تانیث کی تفریق ختم کرنا چاہتے ہیں' ہم چاہتے ہیں کہ مرد اور عورت کو برابر کے مواقع ملیں۔ گھروں میں جو عموماً "لڑکوں کی تعلیم اور ان کی صحت پر لڑکیوں کی بہ نسبت زیادہ توجہ دی جاتی ہے اس امتیاز کو ختم ہونا چاہئے۔ ادھر اخبار میں خبر لگتی ہے کہ گلشن اقبال میں تعمیر کیا جانے والے لیڈیز اسپورٹس کمپلیکس کی تعمیر کا کام روک دیا گیا۔ متعلقہ ادارے نے اس بارے میں کوئی جواز پیش کرنے کی زحمت نہیں کی۔ امتیاز کمال کا کہنا تھا کہ ہمارے ہاں تو یہ عالم ہے کہ شہر کی دیواروں پر عموماً" یہ لکھا ہوتا ہے کہ مردوں کی کمزوری کا شرطیہ علاج لیکن کوئی "عورتوں کی کمزوری" کی بات نہیں کرتا۔ (بہ شکریہ : سنہرا دور)

شمس فرخ

میزان کی تصویریں زندگی کی گواہی دیتی ہیں

میزان الرحمن

مصوری میں ابتدائی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے علاوہ میزان کی تصویروں میں جو کچھ ہے وہ سب اس کا اپنا ہے۔ اس کی اپنی گرامر ہے۔ رنگوں کا انتخاب اور اشکال کے اشارے اس کی اپنی جنبش ہیں۔ میزان گزشتہ کئی برسوں سے ایک تجسس کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ وہ ہر لمحہ کچھ دریافت کرنے کی دھن میں رہتا ہے۔ اپنے آپ کو' زندگی کو' بصری فن کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی جستجو۔ وقت کی ناانصافیوں' زندگی کی ناآسودگیوں پر آزردہ خاطر ہوتا ہے۔ احتجاج کرتا ہے' سمجھاتا ہے کہ محض ظاہر پر اعتبار نہ کرو۔ کسی انسانی وجود کے چہرے کے کریہہ رنگ و روپ پر کوئی رائے قائم نہ کرو' کوئی فیصلہ نہ کرو' یہ بھی تو جانو کہ اس کی کیا مجبوری تھی۔ میزان زندگی کی تلخ حقیقتوں کو اندر تک محسوس کرتا ہے۔ وہ جب اپنے گھر سے نکلا تھا تو اسے قطعی یہ معلوم نہیں تھا کہ جب پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر پچاس سالہ مصوری کا ذکر آئے گا تو نوجوان مصوروں کی فہرست میں اس کا نام بھی شامل ہوگا۔ تلاش معاش کی خاطر ہجرت کے بعد وہ خود کو تلاش کرلے گا۔ میزان گزشتہ کئی برسوں سے کراچی میں مقیم ہے لیکن ابھی تک قریب الوطن ہے۔ اس کا دھیان بار بار اسے سونار دیش کی جانب پلٹتا ہے۔ ممتا کے لمس کی آسودگی کا خیال آتا ہے تو ایک فن پارہ وجود میں آتا ہے۔ ساری دنیا سے بے نیاز اپنے پروں کے اندر 'مستقل

کی زندگی کو سینچنے والی ممتا۔ محبت' نرمی' اخلاص اور تحفظ کی علامتیں۔ میزان کی تمام تر تصاویر کا اہم عنصر بے ساختگی ہے۔

وہ جب ایک تصویر کے بنانے کے لئے خالی کینوس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں سب کچھ واضح ہوتا ہے لیکن وہ حقیقت نگار نہیں ہے۔ وہ رنگوں سے کھیلتا ہے لیکن وہ بے حس کھلاڑی نہیں ہے۔ وہ اپنے اندر کے تخلیقی کرب کو رنگ و نقش میں بیان کرنے کے لئے سنجیدہ ہوتا ہے۔ میزان الرحمن جب مصوری کے میدان میں داخل ہوا تو اسے اپنے لئے جگہ تلاش کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نوعمری اور ناتجربہ کاری کی بناء پر بھی وہ دنیا سے خفا ہو جاتا۔ دوسروں پر ناانصافی اور زیادتی کے الزام دھرتا۔ احساس محرومی کے ہاتھوں عارضی طور پر پسپا ہو جاتا لیکن ہمت نہیں ہارا۔ میزان کو ابھی اور بہت دور تک جانا ہے لیکن وہ برٹش قونصل میں اپنی تصاویر کی حالیہ نمائش کے بعد آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

گزشتہ برسوں کی ثابت قدمی' مصوری کی جدید جہتوں سے آگہی اور مسلسل مشق نے میزان کے فن کو ملاحت اور روانی دی ہے۔ اس کی ابتدائی تصاویر میں جہاں اشکال اور ہیئتیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور کٹی ہوئی تھیں اب ان کے درمیان ایک رشتہ محسوس ہوتا ہے۔ فورم اور اسپیس میں توازن ہے۔ میزان کی

تصویریں زندگی کی گواہی دیتی ہیں۔ وہ زندگی جو حالات کے ہاتھوں لٹتی ہے۔ اس کی ناقدری ہوتی ہے۔ وہ باہمی رشتوں کو مضبوط کرنے کا آرزومند ہے۔ یہی سب کچھ اس کی تصویروں کی اساس ہے۔

برٹش قونصل آرٹ گیلری میں میزان کی دوسری سولو نمائش تھی۔ اس سے قبل کئی گروپ شوز میں شرکت کی۔ ان تمام مراحل سے گزر کر میزان کو ایک صحت مند اور مثبت احساس یہ ہوا ہے کہ کامیابی کی راہ میں کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔

❖ ❖

بقیہ ☜ پانی کا بحران

عملی کے مقابلے میں خدمات کی منصفانہ تقسیم اور مالی ذمہ داریوں کا بوجھ موثر انداز میں بنانے کے لئے ایک جامع حکمت عملی بھی وضع کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس عمل کے لئے وسیع بنیاد پر عوامی صلاح و مشورے' کھلے مباحثے اور اسٹاک ہولڈرز کے درمیان صلاح مشورے' بحث تمحیص کی ضرورت ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ شہریوں کے مشورے سے نجی شعبے کی شراکت کی حکمت عملی پر نظرثانی کی جائے اور جب تک اصلاحات کی نوعیت' رفتار اور حد کے بارے میں اتفاق رائے نہ ہو جائے۔ ایسے تمام بنیادی اقدامات روک دیئے جائیں جن سے کراچی میں آبی خدمات کی فراہمی کی موجودہ تنظیم اور ذمہ داریوں میں تبدیلی واقع ہو۔

❖ ❖ ❖

میزان الرحمن اپنی تصویروں کی نمائش کے موقع پر مداحوں کے درمیان

فطرت کیا ری سائیکل کرتی ہے

یہ جاننے کے لئے کہ کون سی اشیاء قدرتی طور پر گل سڑ جاتی ہیں یہ تجربہ کریں۔

آپ کو کن چیزوں کی ضرورت ہوگی۔

- مٹی کا ایک گملہ۔
- گملے میں بھرنے کے لئے مٹی۔
- ایک چھوٹا پتھر۔
- مختلف اقسام کا کچرا جس میں پتی' غذائی اشیاء' پتے' کاغذ' پلاسٹک کی تھیلیاں اور پولی اسٹائرین فوم کے ٹکڑے شامل ہوں۔
- قینچی۔
- تھوڑا سا پانی۔
- شیشے کی گول پلیٹ۔
- کچھ اخبارات۔
- بارہ سے اٹھارہ انچ لمبی چھڑی۔
- ربر کے دستانے۔
- نتائج کے لئے چار ہفتے انتظار

کیا کرنا ہے؟

۱۔ گملے کے پیندے میں سوراخ کو پتھر سے بند کردیں تاکہ پانی تیزی سے خارج نہ ہو۔
۲۔ گملے میں ایک تہائی مٹی بھریں۔
۳۔ کچرے کو کاٹ کر یا کوٹ پیس کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنالیں۔
۴۔ کچرے کو گملے میں مٹی پر بچھادیں۔
۵۔ کچرے کو مٹی سے اس طرح ڈھانپ دیں کہ گملا پر ہوجائے۔
۶۔ گملے پر پانی چھڑکیں کہ وہ پوری طرح نم ہوجائے۔
۷۔ گملے کو شیشے کی گول پلیٹ سے ڈھانپ دیں۔
۸۔ گملے کو کسی گرم اور اندھیری جگہ پر رکھیں۔
۹۔ گملے کی مٹی کو باقاعدگی سے چیک کرتے رہیں اور اسے نم رکھنے کے لئے ضرورت ہو تو اور پانی دیں۔
۱۰۔ چار ہفتوں کے بعد گملے کو اخبار کے کھلے کاغذ پر الٹ دیں۔
۱۱۔ اگر مٹی کو ہاتھ سے پھیلانا چاہتے ہوں تو ربر کے دستانے پہنیں یا پھر چھڑی سے مٹی کو پھیلائیں۔
۱۲۔ احتیاط کے ساتھ کچرے کا معائنہ کریں۔ کون کون سی اشیاء گل سڑ سکتی ہیں اور کون سی نہیں؟ فطرت کن کن چیزوں کو ری سائیکل کرتی ہے۔

ری سائیکلنگ کیا ہے؟

ری سائیکلنگ' استعمال شدہ اور ردی چیزوں کی اس طرح پروسس کرنے کے عمل کو کہتے ہیں جس سے وہ دوبارہ استعمال کے قابل بن جائیں۔ جن اشیاء کی عام طور پر ری سائیکلنگ کی جاتی ہے ان میں المونیم' شیشہ اور کاغذ شامل ہیں۔ ری سائیکلنگ تین طرح سے ماحول کی مدد کرتی ہے۔

جب ہم ری سائیکل کرتے ہیں تو جگہ بچاتے ہیں۔ جو اشیا پھینک دی جانی چاہئیں ہم انہیں رکھتے ہیں اور دوبارہ استعمال کرتے ہیں اس طرح شہر کے کچرہ گھروں اور بھرائی کے لئے کچرے کے انبار میں کم چیزیں جاتی ہیں۔

ری سائیکلنگ کرکے ہم توانائی بچاتے ہیں۔ بے شک ری سائیکلنگ کے عمل میں بھی کچھ توانائی خرچ ہوتی ہے مثلاً المونیم کو پگھلانے' شیشہ توڑنے یا اخبار کو دوبارہ صاف کاغذ میں تبدیل کرنے کے لئے' لیکن ری سائیکلنگ میں خام مال سے نئی مصنوعات تیار کرنے کے مقابلے میں کم توانائی خرچ ہوتی ہے۔

جب ہم ری سائیکلنگ کرتے ہیں تو قدرتی وسائل بھی بچاتے ہیں۔ ری سائیکلنگ کے عمل میں پرانی چیزوں سے نئی مصنوعات بنائی جاتی ہیں لہٰذا خام مال کم استعمال ہوتا ہے۔ کوئلہ' قدرتی گیس' پانی اور لکڑی جو پیداواری عمل کے لئے توانائی پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کی بھی بچت ہوتی ہے۔

ری سائیکلنگ سے جگہ' توانائی اور وسائل کی بچت ہوتی ہے اور یہ تینوں اشیاء ایسی ہیں جنہیں ضائع کرنے کے ہم متحمل نہیں ہوسکتے۔ اس سے فضائی اور آبی آلودگی بھی کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

❖❖

شہری آبادی

پاکستان میں شہری علاقے رقبے کے اعتبار سے زمین کا صرف ایک فیصد ہیں لیکن ان میں ۳۰ فیصد آبادی رہتی ہے۔ شہری آبادی کا پانچواں حصہ صرف کراچی میں آباد ہے جبکہ پانچ لاکھ سے زائد آبادی کے سات دوسرے شہروں میں ۳۰ فیصد آبادی رہتی ہے۔ ایک چوتھائی سے زائد شہری آبادی غیر قانونی بستیوں میں رہتی ہے جن میں سے بہت سے لوگ ایسے مقامات پر آباد ہیں جو سیلاب اور دیگر خطرات سے دوچار رہتے ہیں۔ شہروں میں آبادی کی شرح میں اضافے اور دیہی علاقوں سے آبادی کی مسلسل منتقلی کے پیش نظر اس بات کا امکان ہے کہ ۲۰۱۰ تک پاکستان میں آبادی کی اکثریت شہروں میں ہی منتقل ہوجائے گی۔

(بہ شکریہ این سی ایس پاکستان)

گردوپیش پر نگاہ

شہری برائے بہتر ماحول شہریوں کے مسائل کے حل کا خواہش مند ہے اس کے لئے آپ کا تعاون لازمی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ ایسے مسائل کے بارے میں لکھیں جو ماحولیاتی آلودگی کا سبب ہیں۔

ایف سی ایریا میں کھیل کا میدان

فیڈرل کیپٹل ایریا کے مسائل

میں فیڈرل کیپٹل ایریا کا رہنے والا ہوں۔ یہ کالونی ڈسٹرکٹ سینٹرل میں واقع ہے اور فیڈرل بی ایریا، لیاقت آباد اور ناظم آباد کی گنجان آبادیوں میں گھری ہوئی ہے۔ فیڈرل کیپٹل ایریا ۱۹۵۳ء میں وفاقی حکومت کے ملازمین کو رہائشی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ اندازہ ہے کہ آج اس کالونی میں تقریباً ایک لاکھ افراد رہتے ہیں۔

فیڈرل کیپٹل ایریا کے مکین بہت سے مسائل سے دوچار ہیں، فیڈرل کیپٹل ایریا کراچی میں وفاقی حکومت کے ملازمین کی سب سے بڑی کالونی ہے (جہاں تقریباً پانچ ہزار فلیٹس ہیں) جس کی وجہ سے یہاں بہت سیوریج اور کچرا نکلتا ہے۔ علاقے میں متعدد سیوریج لائنیں بند رہتی ہیں اور بیشتر وقت گندہ پانی بہتا رہتا ہے۔ ماضی میں کے ایم سی اور زیڈ ایم سی، پی ڈبلیو ڈی کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت یہاں سے کچرا اٹھالیتی تھیں۔ پی ڈبلیو ڈی انہیں کنزروینسی چارجز ادا کرتی تھی۔ تاہم اب یہ انتظام برقرار نہیں رہا اور ہر جگہ کوڑا کرکٹ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ پینے کے پانی کی فراہمی بھی بے قاعدہ ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ناجائز تجاوزات اس حد تک پھیل گئی ہیں کہ کے ڈی اے کو انہیں کچی آبادیاں قرار دینا پڑا جن میں موسیٰ کالونی (۴۵ء۴ ایکڑ)، پنجاب کالونی (۴ء۷ ایکڑ) شامل ہیں۔ یہ گنجان آباد کچی آبادیاں اب پہلے ہی ناکافی ایف سی ایریا کی پبلک سہولتوں پر دباؤ ڈال رہی ہیں جس کی وجہ سے یہاں قانونی طور پر رہنے والوں کو سخت پریشانی کا سامنا ہے۔

صحت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ حلقے میں صرف ایک ڈسپنسری ہے جس کا عملہ بھی ناکافی ہے۔ ایمبولینس کی کوئی سہولت نہیں ہے۔ ایک لاکھ کی آبادی کے لئے صرف دو ثانوی اسکول ہیں جن کی دیکھ بھال نہیں ہوتی اور عملہ بھی ناکافی ہے ان تمام خامیوں کے باوجود اس علاقے میں خواندگی کی شرح ۹۰ فیصد ہے۔ تمام مشکلات کے باوجود یہاں کے باشندے اپنے حالات بہتر بنانے کے لئے کوشاں ہیں سرسبز علاقے نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے مکینوں کی مشکلات میں اور اضافہ ہوا ہے۔

فیڈرل کیپٹل ایریا کے مسائل خصوصی نوعیت کے ہیں اور ان کی خصوصی انتظامی حیثیت ہے لہٰذا ان پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(سید شبیہ الحسن۔ ایف سی ایریا، کراچی)

ایک مستقل منظر

شہری کے لئے رضاکاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھ ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف۔
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹرز)
- قانونی (غیر قانونی عمارتیں)
- تحفظ اور ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مالی حصول

ہر وہ شخص جو شہری کے جاری اور مستقبل کے منصوبوں کے لئے مدد (رقم/فیس) کرنا چاہے اس سے گزارش ہے کہ وہ شہری کے دفتر تشریف لائیں یا فون، فیکس یا ای میل کے ذریعے شہری کے سیکریٹریٹ سے رابطہ کریں۔

شہری سے پوچھئے!

○ س۔ کراچی ماس ٹرانزٹ پروجیکٹ کے بارے میں خاصی الجھن پائی جاتی ہے۔ اخبارات میں متضاد خبریں آرہی ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ شہر کے اس اہم منصوبے کی موجودہ صورتحال کیا ہے؟

(زبیر حارث، پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی)

☆ ج۔ آپ اس سلسلے میں رہنمائی، کے ایم ٹی پی پروجیکٹ سیل، چھٹی منزل سوک سینٹر، کراچی۔ فون نمبر ۴۹۳۴۸۱۰ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

○ س۔ میرے محلے میں ایک پارک ہے جس کی حالت بہت خراب ہے۔ پارک کے ایم سی کی ملکیت ہے میں نجی شعبے کے بعض اداروں کو اس پارک کی دیکھ بھال کے لئے آمادہ کرسکتا ہوں۔ مجھے اس سلسلے میں معلومات کے لئے کس سے رابطہ کرنا چاہئے؟

(بتول اظفر، گلشن اقبال۔ کراچی)

☆ ج۔ ڈائریکٹر جنرل پارکس، کے ایم سی، خیال داس پارک بالمقابل آرام باغ تھانہ۔ فون ۲۶۳۶۴۹۳

○ س۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کراچی میں بجلی گھروں سے پیدا ہونے والی آلودگی کی روک تھام کے لئے حکومت سندھ کیا کررہی ہے؟

(جاوید رضوی، پی ای سی ایچ سوسائٹی، کراچی)

☆ ج۔ آپ رابطہ کریں مسٹر محمد افضل نظامانی، ڈائریکٹر سندھ ای پی اے۔ فون ۵۸۶۷۹۲۵

بقیہ ⇦ آبادی میں اضافہ

نگرانی بھی کرے۔ یہ کام نہیں کیا جارہا ہے جس کی وجہ سے مکینوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالا جارہا ہے۔ کے بی سی اے کو نقشوں کی تفصیلات اور تعمیراتی نگرانی کے بغیر کسی حال میں غیرقانونی کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر کی منظوری نہیں دینی چاہئے۔

"شہری" کو شہریوں کے ایک گروپ کی حیثیت سے ایک طرف تو طویل المیعاد ہاؤسنگ پالیسی کی تشکیل میں مدد دینا ہوگی دوسری طرف ان شہریوں کا تحفظ کرنا ہوگا جنہیں دھوکہ بازی کے ذریعے غیرقانونی عمارتوں میں رہنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ بہرحال شہریوں کو بھی تو اپنی املاک بلڈرز کے ہاتھوں فروخت کرکے، سٹہ بازی اور ان غیرقانونی عمارتوں کا قبضہ لے کرفا[illegible] ہو رہا ہے۔

علاوہ ازیں گزشتہ برسوں کے دوران کے ڈی اے اور کے بی سی اے خود بھی بظاہر رئیل اسٹیٹ ایجنسیاں بن گئے ہیں کیونکہ ان کو آمدنی زمین کی فروخت، جرمانوں اور ریگولرائزیشن فیس سے ہی ہوتی ہے۔ ایسے فرسودہ قوانین موجود ہیں جن کے تحت کے بی سی اے تعمیراتی لاگت کا تین فیصد بطور جانچ پڑتال فیس وصول کرسکتی ہے۔ لیکن اس کے بجائے مالی رجحان یہ ہوتا ہے کہ کمرشیلائزیشن فیس وصول کرلی جائے جو ماحولیاتی انحطاط کا باعث بنتا ہے۔ شہر کے بڑے حصے میں شہری یا تو ٹیکس دیتے ہی نہیں یا پھر پرانی شرحوں سے ٹیکس دے رہے ہیں۔ اس صورتحال کو درست کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کے ڈی اے اور کے بی سی اے کو معقول اور نئی شرحوں سے ٹیکس ملیں اور وہ اپنی آمدنی کے لئے صرف ریگولرائزیشن فیس اور زمین کی فروخت پر ہی انحصار نہ کریں۔

کے بی سی اے اور نگراں کمیٹی بے شک تعمیرات کو قانون کے مطابق کرائیں لیکن طویل المیعاد حل یہی ہے کہ شہری افزائش کو روکا جائے۔ دیہات میں

باقی صفحہ ۲۲ پر

آزمائش شرط ہے

زراعت میں ناسیاتی طریقے استعمال کرنے اور وسائل کے تحفظ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے محمود فتح علی کا سوہنا فارم ایک اچھا نمونہ ہے۔ یہ فارم کراچی کے علاقے گلشن اقبال میں واقع ہے، جہاں ایک خاص طریقے سے بظاہر بنجر زمین کو پیداوار کے قابل بنایا گیا ہے۔

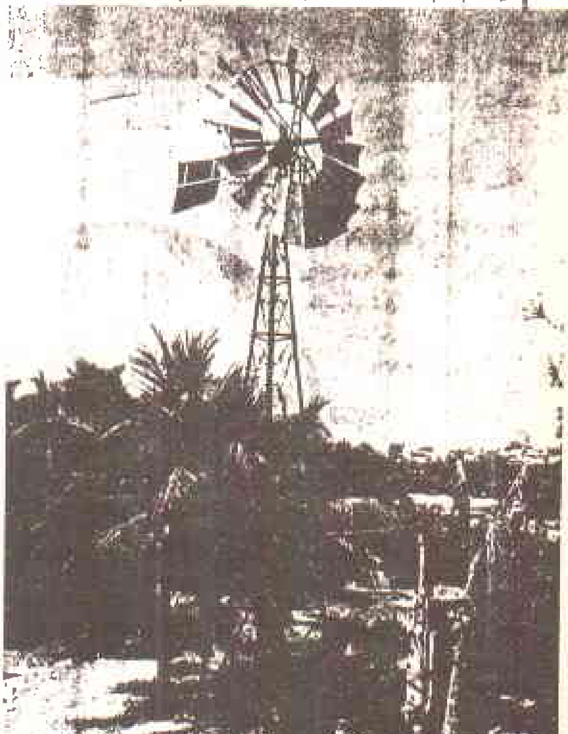

اس فارم پر زیر زمین پانی کھینچنے کے لئے ہوائی چکی استعمال کی جاتی ہے۔ ہوائی چکی کی محدود صلاحیت اور زیر زمین پانی کی کمی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس فارم پر "قطرہ آبپاشی" drip irrigation کا اصول اپنایا گیا ہے تاکہ پانی کا بھرپور طریقے سے استعمال ہوسکے۔ اس اصول کے تحت سوراخ دار پائپوں کے ذریعے پانی براہ راست پودوں کی جڑوں تک پہنچایا جاتا ہے، تاکہ پانی کو زمین میں رسنے اور بخارات بن کر اڑنے سے روکا جاسکے۔ مٹی کو زرخیز بنانے کے لئے مستقل بنیادوں پر گوبر اور زرعی فضلہ ملایا جاتا ہے۔ گوبر میں پانی ملا کر اسے بائیو گیس پلانٹ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب اسے مٹی میں ملایا جاتا ہے تو یہ طاقتور کھاد بن چکی ہوتی ہے بلکہ مٹی کو نمی بھی فراہم کرتی ہے۔

مٹی کو زرخیز بنانے کے لئے کیچوے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس طریقے میں کیچوؤں کو پالا جاتا ہے اور انہیں نامیاتی فضلہ کھلایا جاتا ہے۔ بعد میں کیچوؤں کے فضلے کو مٹی میں ملا دیا جاتا ہے جو پانچ سال تک مٹی کو زرخیز رکھتے ہیں۔

پاکستان میں، جہاں دن بدن بڑھتی ہوئی آبادی نہ صرف قدرتی وسائل پر بوجھ ڈال رہی ہے، بلکہ سماجی اور معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی پیدا کررہی ہے، ایسے طریقے یقیناً مفید ثابت ہونگے۔

(بہ شکریہ: سہ ماہی جریدہ)

ورثے میں اک پودا

محسن بھوپالی

آخر کس امید پہ اپنا سر نہوڑائے
بوڑھے پیڑ کے نیچے بیٹھے
بیٹے لمحے گنتے رہو گے
بوجھل سر سے ماضی کا احسان جھٹک کر اٹھو
دیکھو یہ سب کوڑھ کی ماری شاخیں
گل کر گرنے والی ہیں
اس موٹے بے ڈول تنے کے غار میں جھانکو
ویرانی اپنے بال بکھیرے۔۔۔ خشک زباں سے،
اک اک جڑ کو چاٹ رہی ہے
آؤ کوڑھ کی ماری شاخوں کے گلنے سے پہلے
اپنی عمر کے پیلے سورج کے ڈھلنے سے پہلے
ورثے میں اک پودا ہی دیتے جاؤ!

زندگی کو بچالیں

جمیل ملک

سبز پودے لگاؤ
جگنوؤں، تتلیوں، فاختاؤں کو مل کر بچاؤ
یہ گیس اور دھواں اور بارود کی بو
فضاؤں میں بڑھتی ہوئی جان لیوا یہ آلودگی کا تکدر
اُمڈتی ہوئی جنگ کے سب بھیانک مناظر
کہاں لے کے جائیں گے ہم کو؟
ننھی نسلوں کے ہونٹوں پہ لکھے ہوئے
ان سوالات کے کیا جوابات ہیں؟
اپنے ذہنوں کی آلودہ زنبیل میں
کیا کوئی ان کا حصہ بھی ہے، ان کا قصہ بھی ہے؟
ننھے منھے سے لڑکے، یہ معصوم سی لڑکیاں
کیا چمکتے ہوئے جگنوؤں
اپنے رنگوں میں بھیگی ہوئی تتلیوں
امن کے گیت گاتی ہوئی فاختاؤں ہی جیسی نہیں ہیں؟
آنے والا زمانہ انہی کا تو ہے
کیا یہی اپنا سارا اثاثہ نہیں ہیں؟
آنے والے زمانے میں یہ بھی
اگر لٹ گیا تو یہ دنیا کہاں جائیگی؟
محبت سے بھرپور
یہ ابھی نسلیں ہی تو زندگی ہیں ہماری
کل کی یہ لہلہاتی ہوئی
ساری فصلیں ہی تو تازگی ہیں ہماری
روشنی ہیں ہماری
چلو روشنی کو
اندھیروں کے گہرے سمندر میں غرقاب ہونے نہ دیں۔
چلو روشنی کو بچالیں
امن کو، پیار کو، آشتی کو بچالیں
جگنوؤں، تتلیوں، فاختاؤں کی
روشنی، چہکتی ہوئی اور دھڑکتی ہوئی
نرم آواز سن لیں
زندگی کو بچالیں
زندگی کو بچالیں
زندگی کو بچالیں
زندگی کو بچالیں!!

(بہ شکریہ : سہ ماہی جریدہ)

ریحانہ افتخار

ذہنی امراض کے تدارک، علاج اور تحقیق کا مرکز

ادارہ علوم برتاؤ

کراچی گزشتہ کئی برسوں سے مختلف نوعیت کے تشدد کا شکار ہے۔ ڈکیتیاں، اغوا برائے تاوان اور گاڑیاں چھیننے کے واقعات اب روزمرہ کے معمولات بن چکے ہیں۔ اسلحہ اب آسانی سے دستیاب ہے چنانچہ اس کا غیر ضروری استعمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے شہریوں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھ رہا ہے۔ تشدد کے واقعات میں مسلسل اضافے کی شکایت دنیا بھر میں کی جارہی ہے۔ تقریباً ہر ملک کسی نہ کسی قسم کے تشدد کا نشانہ ہے لیکن ترقی پذیر ملکوں میں بڑھتی ہوئی آبادی، غذا کی کمی، پانی اور ہوا کی آلودگی کی بنا پر پیدا ہونے والا غیر صحت مند ماحول، ناکافی وسائل، اقتصادی محرومیاں اور غیر مستحکم سیاسی حالات تشدد کی صورت حال کو سنگین تر بنا رہے ہیں۔

تشدد کی تکلیف دہ اپنی طرز کی منفرد شہادتیں نوے کے عشرے میں منظر عام پر آئی ہیں ان میں ماورائے عدالت ہلاکتیں اور سیاسی ولسانی گروہوں کی جانب سے اپنے مخالفین پر ڈھائے گئے مظالم وغیرہ سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ شہریوں پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے مشتبہ افراد سے سچ اگلوانے کے بہانے بدترین طریقوں سے تشدد کرنے کی بھی شہادتیں سامنے آئی ہیں۔

کوئی عزیز تشدد میں مارا جاتا ہے یا زخمی ہوجاتا ہے، گاڑی چھن جاتی ہے، گھر میں چوری ہوجاتی ہے، یہ ایسے واقعات ہیں جو انسان پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ مالی نقصان تو کبھی نہ کبھی اور کسی طور پورا ہوسکتا ہے لیکن تشدد کا نشانہ بن کر مرنے والے شخص کے لواحقین پر کیا گزرتی ہے یا زخمی ہونے والا شخص صحت یاب ہوکر بھی کس عذاب سے گزرتا رہتا ہے اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ کسی کیک۔ تجربے میں آنے والے تشدد اس پر نفسیاتی طور پر بہت دیرپا اور مضر اثرات چھوڑتا ہے۔ جس سے ذہنی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن فار مینٹل ہیلتھ (PAMH) گزشتہ ۲۵ برسوں سے ذہنی صحت کے بارے میں عوامی شعور پیدا کرنے کے نصب العین پر سرگرم عمل ہے تاکہ لوگوں کو یہ باور کیا جاسکے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر مقامی اور قومی سطح پر ذہنی صحت کی کیا اہمیت ہے۔ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ۱۹۹۴ء میں جو سروے کیا گیا تھا اس کے مطابق ذہنی دباؤ اور عدم تحفظ کی بنا پر نفسیاتی بیماریوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ شہری بدامنی کی وجہ سے کراچی میں رہنے والوں کے رویوں میں نمایاں تبدیلی آئی۔ مثلاً لوگ شادیوں کی تقریبات اور دعوتوں میں شرکت سے گریز کرنے لگے، پارکوں، عوامی سیرگاہوں اور بازاروں میں ہجوم گھٹتا گیا۔ اجتماعی ثقافتی سرگرمیاں گھروں کے ٹی وی لاؤنج میں سمٹ آئیں، بچوں کا کھیل اور سیرو تفریح کے لئے باہر جانے پر پابندیاں لگادی گئیں۔ باہمی تعلقات میں کشیدگی، ایک دوسرے سے بے زاری اور معمولی بات پر ایک دوسرے پر برسنا اور جھگڑنا روزمرہ کے معمولات میں شامل ہوگیا۔

عرصہ جدید میں ذہنی صحت سے مراد معیار زندگی کا فروغ ہے جس کا انحصار، تخلیقی اور پیداواری صلاحیتوں پر ہے۔ قومی اور اقتصادی تقاضہ یہ ہے کہ کل آبادی کا ایک بڑا حصہ جو ذہنی امراض میں مبتلا ہے اسے معاشرے پر بوجھ نہ تصور کیا جائے بلکہ انہیں حوصلہ افزائی اور مناسب علاج سے اس قابل بنادیا جائے کہ وہ معاشرے میں مفید کردار ادا کرسکیں۔

ادارہ علوم برتاؤ کا قیام پاکستان ایسوسی ایشن فار مینٹل ہیلتھ کا ایک دیرینہ خواب ہے جس کی تکمیل کے امکانات طویل جدوجہد کے بعد ظاہر ہو رہے ہیں کیونکہ شہر میں اب ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں کراچی اور اس کے مضافات میں رہنے والوں کو ذہنی صحت کی پر اعتماد خدمات فراہم کی جاسکیں گی۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک بھر میں اب تک عوامی یا نجی سطح پر ذہنی صحت کی خدمات باقاعدہ طور پر میسر نہیں تھیں۔ برادری یا خاندانی تائید و تعاون کا نظام جو ذہنی صحت کی خدمات کا بہترین وسیلہ ہے اس سے بھی خاطر خواہ استفادہ حاصل نہیں کیا گیا۔ آئی بی ایس انہی امور پر کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اغراض و مقاصد

ادارہ علوم برتاؤ کا اولین نصب العین ذہنی صحت کی ایسی خدمات پیش کرنا ہے جو بیک وقت انسدادی اور شفابخش ہوں۔ انہیں ذیل میں درج حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱) بچوں، بڑوں اور بوڑھوں کے ذہنی امراض کی تشخیص اور علاج

۲) مقامی لوگوں یا کمیونٹی کی ذہنی صحت کا پروگرام

۳) ذہنی صحت کا شعور اور انسدادی ادویات کا پروگرام

۴) نرسوں اور معاون عملے کی تعلیم و تربیت

۵) تحقیق، جدید خیالات اور حکمت عملی اختیار کرنے کے لئے علوم برتاؤ کے شعبے کا قیام۔ تاکہ ذہنی صحت کی موجودہ خدمات میں مثبت تبدیلی لائی جاسکے۔

۶) پیشہ ورانہ مسائل کے متاثرین کا علاج اور بحالی

۷) خصوصی بچوں کا اسکول

۸) منشیات پر انحصار سے نجات کے پروگرام

ذہنی امراض میں مبتلا افراد کو عموماً "پاگل یا بھوت کے زیر سایہ قرار دیا جاتا ہے۔ جن کا علاج عموماً" جادو ٹونے یا روحانی معالجوں یعنی پیروں، فقیروں سے کروایا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دباؤ کی بنا پر لاحق ہونے والے ذہنی امراض کے علاج کے لئے روحانی اقدار مروجہ عقیدوں، روایتی دانش اور خاندانی اقدار کا کسی فرد یا معاشرے کی طبعی، ذہنی اور اقتصاد صحت پر مرتب ہونے والے اثرات پر بھرپور تحقیق کی جائے۔ نیز آئی بی ایس کے آئندہ تحقیقی پروگراموں میں کٹر مذہبی اور اعتدال پسند عقیدوں، دباؤ اور عورتوں کے بڑھتے ہوئے مطالبات اور تقاضے، ماحولیاتی آلودگی اور اس کا طبعی اور ذہنی صحت پر اثرات اور ذہنی صحت سے متعلقہ دیگر مضامین شامل ہیں۔

یہ پرعزم منصوبہ اوجھا سینی ٹوریم کی حدود میں حکومت سندھ کی جانب سے عطا کئے گئے ۶ ایکڑ رقبے پر تعمیر کیا جارہا ہے۔ جو متعدد شعبوں اور یونٹوں پر مشتمل ہوگا تاکہ داخلی اور بیرونی مریضوں کا علاج اور دیکھ بھال احسن طریق سے کیا جاسکے۔ یہاں تشدد کے متاثرین کو فوری طبی امداد کی فراہمی اور ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے خصوصی شعبہ قائم کئے جائیں گے۔

فن تعمیر اور رویئے

سب سے نمایاں اور اہم بات تو یہ کہ

باقی صفحہ ۲۲ پر

بقیہ ⇦ آبادی میں اضافہ

اراضی اور زرعی اصلاحات کی جائیں۔ ثانوی شہر بسائے جائیں، مرکزیت ختم کی جائے، آبادی کی منصوبہ بندی کی جائے، خواندگی کی شرح بڑھائی جائے، اچھی حکومت کے ذریعے غربت کا خاتمہ کیا جائے، چھوٹے خاندان ہوں اور مکانات کی طلب کم ہو، اس ضمن میں عوام میں شعور پیدا کرنا بہت ضروری ہے جس کے نتیجے میں زیادہ احتساب ہوگا، ہر سطح پر کرپشن کے خاتمے سے غیر قانونی تعمیرات کا سلسلہ بھی کم ہوگا۔ ہمیں درپیش مسائل کی ہمہ گیری کا پورا اندازہ ہے۔ ملک کے ادارے بڑے چیلنجوں سے دوچار ہیں جن کا مقابلہ صرف بھرپور کوششوں سے ہی ممکن ہے۔ بڑے مسائل کو تسلیم کرلینے کے بعد ہی ان کا کوئی حل نکلے گا۔ اگر نگراں کمیٹی کا کوئی رکن غیر معقول یا خودغرضی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ مشترکہ مقصد کے حصول میں ہاتھ بٹانے کے بجائے مخاصمت کرے گا۔ لیکن نگراں کمیٹی کو غیر قانونی تعمیرات کی روک تھام کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ (نوید حسین آرکیٹیکٹ اور شہری برائے بہتر ماحول کے ایگزیکٹو ممبر ہیں)

بقیہ ⇦ تھیٹر کی تاریخ

کھیل گوئٹے انسٹی ٹیوٹ میں بھی کئے لیکن اب وہ دیہات اور گلیوں میں پرفارم کرتے ہیں۔ دور دراز علاقوں میں جاتے ہیں اور مختلف غیر سرکاری تنظیموں اور اداروں مثلاً ڈی ڈبلیو ایف اور ڈبلیو اے ایف وغیرہ کے تعاون سے کام کرتے ہیں۔

"دستک" جس نے اسٹریٹ تھیٹر کے چند کھیل کئے ہیں، کی ثانیہ سعید کہتی ہیں کہ "تھیٹر ایک بہتر میڈیم ہے۔ ساعت گاہوں کا حصول ایک مسئلہ ہے کیونکہ وہ ایک تو بہت مہنگے ہوتے ہیں، دوسرے ہنگامہ آرائی کرنے والے سامعین کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔ تھیٹر دو طرفہ ہوتا ہے۔ اداکار سامعین کے جواب کو محسوس کرسکتے ہیں جبکہ سامعین اداکار کی توانائی کو محسوس کرسکتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے مقابلے میں اسٹریٹ تھیٹر زیادہ بہتر ہوتا ہے کیونکہ لوگ اس کا نوٹس لیتے ہیں۔ یہ مختصر ہوتا ہے، زیادہ براہ راست ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک مخصوص موضوع پر ہوتا ہے۔

(صوفین ایرایم فیچر رائٹر ہیں)

بقیہ ⇦ ادارہ علوم برتاؤ

آئی بی ایس موجودہ نفسیاتی اداروں یا ذہنی امراض کے اسپتالوں سے مختلف ہوگا۔ یہ ادارہ جنوبی ایشیا، بالخصوص پاکستان کے جغرافیائی اور ثقافتی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے خطے کے لئے ایک ماڈل پیش کرے گا جو مغرب کے میڈیکل کالج کی نفی کرے گا۔ اس سے مراد تعمیراتی اصلاحات بھی ہیں کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ماحول رویئے کی تشکیل کرتا ہے۔ اس سے قبل جنرل اسپتالوں میں چھوٹے پیمانے پر قائم کئے گئے نفسیاتی شعبے، اونچی دیواروں والے جیل نما ذہنی اسپتالوں یا پاگل خانوں کی بہ نسبت زیادہ پرسکون اور مفید ثابت ہوچکے ہیں۔

آئی بی ایس کے تعمیراتی نقشوں اور منصوبوں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے تاکہ ادارے اور اس کے گردوپیش میں ایسا خوشگوار ماحول تخلیق کیا جائے جہاں پہنچ کر زندگی سے مایوس افراد زندہ رہنے کی خواہش کرنے لگیں۔ سب سے اہم تو یہاں ثقافتی طور پر ایسی فضا قائم کرنا ہے کہ لوگ اسے عام اسپتالوں کے شدید نظم وضبط اور عملے کی سردمہری کے بجائے یہاں ذاتی توجہ اور تپاک حاصل کریں اور اپنے اندرونی دباؤ کا نکاس فطری طور پر کرسکیں۔

آپ کی امداد کے لئے گزارش

یہ ایک غیر منافع بخش منصوبہ ہے۔ جس کی بنیاد عوامی اور نجی اشتراک پر رکھی گئی ہے۔ اس کی تکمیل افراد، انجمنوں اور اداروں کی مالی امداد سے ہی ممکن ہوسکے گی۔ ابتدائی تخمینے کے مطابق اس پر کل لاگت ۳۱ کروڑ روپے آئے گی۔ یعنی ۳۰۰۰ روپے فی مربع فٹ۔ آپ اس کے ایک مربع فٹ یا اس سے زیادہ کا عطیہ دے سکتے ہیں عوامی فلاح وبہبود کے اس عظیم منصوبے کے لئے آپ کی امداد ایک عظیم خدمت ہوگی۔

رابطہ : فون 5831621 اور 5833238

(آئی پی سی فیچر سروس)

شہری کی رکنیت

1997ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے 'صحت بخش اور ساحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

"شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری برائے بہتر ماحول

206 بی - بلاک 2 - پی ای سی ایچ ایس کراچی 75400 - پاکستان

ٹیلی فون / فیکس - 92-21-4530646

e-mail/address: Shehri @ - Shehri. a. khi. brain.net.pk

نام ________ ٹیلی فون (گھر) ________

ایڈریس ________

پیشہ ________ ٹیلی فون (دفتر) ________

ذیشان احمد و ریاض احمد

گلشن معمار کا تعمیراتی حسن

خوبصورت ٹاؤن ہال

جب ہم کراچی میں رہائش کے شعبے کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمارے ذہن میں جو تصویریں ابھرتی ہیں وہ غیر مناسب طور پر ڈیزائن کردہ فلیٹوں اور رہائشی کالونیوں کی ہوتی ہے جو ہر قسم کی بنیادی سہولتوں مثلاً پینے کا پانی' سیوریج اور کچرہ ٹھکانے لگانے کی سہولتوں سے محروم ہوتی ہے۔ تاہم اس انتشار کے درمیان ایک ایسی بھی رہائشی کالونی ہے جو کراچی میں موجودہ شہری افراتفری کے قطعی برعکس شہر کی مستقبل کی بستیوں کے لئے ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کالونی "گلشن معمار" ہے۔

گلشن معمار کراچی کے مشرقی حصے میں سہراب گوٹھ سے ۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اس کا مجموعی رقبہ ۱۲ سو ایکڑ ہے۔ کالونی تقریباً" پانچ سو مکانات پر مشتمل ہے۔ پانی کی فراہمی کا شاندار نظام موجود ہے (ہر گھر کو روزانہ اوسطاً" ایک ہزار سے پندرہ سو گیلن پانی فراہم کیا جاتا ہے) پارکوں' کھیل کے میدانوں اور نرسریوں کے لئے پانی کا الگ انتظام ہے۔ پانی پانچ ہزار گیلن استعداد کے چار اوورہیڈ ٹینکوں میں جمع کیا جاتا ہے۔

کچرے کو جمع کرنے اور ٹھکانے لگانے کا موثر انتظام موجود ہے۔ ہر گھر کو ایک بڑا کچرے کا ڈرم فراہم کیا گیا ہے' ہر اتوار کو صفائی کرنے والا عملہ کالونی کا چکر لگا کر گھر گھر سے کچرہ جمع کرلیتا ہے۔

> **کراچی میں بے ہنگم تعمیرات کے درمیان ایک ایسی رہائشی کالونی جو مستقبل کی بستیوں کے لئے ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہے**

آرام و تفریح کے بے شمار سہولتیں موجود ہیں۔ گلشن معمار میں پانچ پارک ہیں جن کی بڑی خوبصورتی کے ساتھ دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ مقامی باشندوں کے لئے چھ صاف ستھرے تفریحی مقام قائم کئے گئے ہیں۔ متعدد مساجد تعمیر کی گئی ہیں جو تعمیرات کے جدید ترین رجحانات کی عکاسی کرتی ہیں۔ رہائشی کالونی میں ایک ڈاک خانہ بھی قائم کیا گیا ہے۔ ایک بڑا کھیل کا میدان ہے جہاں کرکٹ' ہاکی اور فٹ بال کھیلا جاتا ہے۔ انڈور کھیلوں مثلاً لان ٹینس' ٹیبل ٹینس' کیرم وغیرہ کے لئے ایک کلب موجود ہے۔ جبکہ والی بال وغیرہ کھیلنے کے لئے مختلف مقامات پر کورٹس بنائے گئے ہیں۔

جھیل تیسر پارک

بقائی میڈیکل کالج کے تعاون سے مناسب سازوسامان سے لیس ایک شفاخانہ کام کر رہا ہے۔ ایک اسکول (سرسید اسکول) جس کی کے جی' پرائمری اور سیکنڈری سطح کی الگ الگ شاخیں ہیں کالونی کے بچوں کی تعلیمی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ شادی بیاہ اور دیگر سماجی تقریبات کے لئے ایک ہال بھی بنایا گیا ہے۔

گلشن معمار کا اپنا سیکورٹی کا نظام ہے جو ایک پرائیویٹ سیکورٹی ایجنسی چلا رہی ہے۔ یہ ادارہ جدید ترین سازوسامان سے لیس ۸۰ پرائیویٹ گارڈز کی مدد سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے حال ہی میں کالونی میں ایک تھانے نے بھی کام کرنا شروع کردیا ہے۔

اس بستی کے رہنے والے ایک اچھی منصوبہ بندی اور موثر انتظام کے تحت اچھی زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ توقع ہے کہ شہر کی آئندہ ترقی کے سلسلے میں انہی خطوط کی پیروی کی جائے گی۔

(ذیشان احمد اور ریاض احمد انجینئرنگ کے طالب ہیں)

قمر حسین لاکھو و جمیل احمد

کوٹ ڈیجی کے قلعے کو تباہی سے بچایا جائے

کوٹ ڈیجی کا قلعہ

کوٹ ڈیجی قلعہ خیرپور شہر سے پندرہ کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ یہ ۱۸۰۳ء میں میر سہراب خان تالپور نے تعمیر کرایا تھا۔ قلعہ تین واضح حصوں میں منقسم ہے جس میں بڑے بڑے لکڑی کے نقش و نگار والے پھاٹکوں کے ذریعے داخل ہوا جاسکتا ہے۔

قلعہ

قلعےکی بعض نمایاں خصوصیات میں لیمپ ہاؤس' آبی ذخیرہ' میر کا بنگلہ اور رسومات کی ادائیگی کے لئے پلیٹ فارم شامل ہیں۔ بھاری ذخیرہ آب جو اب بھی معقول طور پر محفوظ ہے ۳۶۸۵ میٹر گہرا' ۴۶۵۵ میٹر لمبا اور ۶۸ میٹر چوڑا ہے۔ اس میں پانی دو کنوؤں سے جمع کیا جاتا ہے جن میں سے ایک قلعے کے اندر اور ایک قلعے باہر ہے۔

لیمپ ہاؤس

میر کا بنگلہ قلعہ کے وسط میں واقع ہے۔ اس میں ایک بڑا ہال' غسل خانے' کچن اور ملازمین کی رہائش گاہیں ہیں۔ دیواریں' چھتیں اور بالکونیاں پھولوں اور اقلیدسی ڈیزائنوں سے مزین کی گئی ہیں۔

رسومات ادا کرنے کا ایک پلیٹ فارم ہے۔ یہ بلند پلیٹ فارم دس خوبصورت ڈیزائن والے ستونوں پر ٹکا ہوا ہے۔ حکمراں اسے اہم مواقع پر عوام یا اپنے سپاہیوں سے خطاب کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

انحطاط اور زوال

سندھ اور پاکستان کے دوسرے حصوں کی طرح کوٹ ڈیجی کا قلعہ بھی متعلقہ حکام اور محکموں کی لاپرواہی اور بے حسی کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ اور تباہی کا شکار ہو رہا ہے۔ سیم اور تھور جس کی وجہ سے خیرپور اور متعلقہ علاقوں کی اراضی بری طرح تباہ ہو رہی ہے کوٹ ڈیجی قلعہ کی عمارتوں کے لئے خطرہ بن رہے ہیں۔ کوٹ ڈیجی شہر میں بڑھتی ہوئی آبادی اور اس کے نتیجے میں سیوریج اور ٹھوس کچرے کو ٹھکانے لگانے کے مسائل بھی باعث تشویش ہیں۔

قلعہ نیشنل ہائی وے کے بالکل ساتھ واقع ہے۔ اگرچہ یہ سیاحت کے لئے اچھی بات ہے لیکن بھاری ٹریفک کے مسلسل بہاؤ اور اس کی وجہ سے مسلسل دھوئیں کی آلودگی کے باعث قلعے کے ڈھانچے کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ کوٹ ڈیجی قلعے کی پہاڑیوں سے بڑے پیمانے پر پتھروں کی کھدائی بھی کی گئی ہے۔

سرکاری بے حسی

اس تاریخی مقام کے تحفظ کے لئے کوئی کوشش نہیں کی جارہی ہے۔ کچھ برس پہلے حکومت سندھ نے ایک کمیٹی قائم کی تھی جس کے چیئرمین سب ڈویژنل مجسٹریٹ کوٹ ڈیجی تھے۔ کمیٹی کی ذمہ داری قلعہ کے تحفظ کے لئے اقدامات تجویز کرنا تھی۔ کمیٹی کا دو سال میں صرف ایک اجلاس ہوسکا۔ اس اہم تایخی مقام کے پاس نہ تو سندھ ٹورزم ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا اور نہ ہی صوبائی محکمہ آثار قدیمہ کا کوئی دفتر ہے۔

شاہ عبدالطیف یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ نے اس سلسلے میں کچھ پہل کی ہے اور "قلعہ کوٹ ڈیجی کی دستاویزات" کے نام سے ایک جامع رپورٹ تیار کی ہے۔

کوٹ ڈیجی قلعہ کے علاوہ خیرپور ہاؤس اور تاریخی اہمیت کے دوسرے مقامات بھی ہیں جو متعلقہ حکام کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے تباہی کے خطرے سے دوچار ہیں۔

اب وقت آگیا ہے کہ ان اہم تاریخی مقامات کے تحفظ کے لئے کچھ اقدامات کئے جائیں اس ضمن میں حکومت سندھ کو پہل کاری کرنی چاہئے۔

(قمر حسین لاکھو اور جمیل احمد لاڑک سول انجینئر ہیں)

✤ ✤ ✤